أَسَالِيبُ التَّبْلِيغَات
۱۹۷۸ء

دعوت تبلیغ کی شرعی حیثیت

مع

اصلاحِ اُمّت کا طریقِ کار

از

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی
مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

اِدارہ اسلامیات ○ ۱۹۰-انارکلی لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت

مع

اِصلاحِ اُمّت کا طریقِ کار

از

حضرت مولانا مفتی سیّد عبد الشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی

مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا

اور

حضرت مولانا محمّد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے طریقِ دعوت و تبلیغ کی توضیح و تشریح

از

مفکرِ اسلام علامہ سید ابو الحسن علی ندوی دامت فیوضہم

ناشر

اِدارۂ اسلامیات ○ ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

اشاعتِ ثانی : ستمبر ۱۹۸۵ء
باہتمام : اشرف برادران سلّمہم الرحمٰن
مطبع : طبع فی المطبعۃ العربیۃ
قیمت آفسٹ پیپر مع کرومکارڈ : ـــــ روپے

ملنے کے پتے :-

ادارۂ اسلامیات : ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور
دارُ الاشاعت : اُردو بازار۔ کراچی ۱
ادارۃ المعارف : ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم : کراچی ۱۴
مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

ترتیب :-

صفحہ

فہرست مضامین

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی کا

ارشادِ گرامی

"حضرت تھانویؒ[1] سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو، اور ان کے آدمیوں سے، اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جاوے ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا، اور ان کے آدمیوں سے عمل۔"

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"تعلیم حضرت حکیم الامتؒ کی ہو، اور طریق کار میرا ہو۔"

[1] "تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات کے جوابات" ص۱۳۷

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب مدظلہم

خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانویؒ

کا

مکتوبِ گرامی

مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خانصاحب دامت برکاتہم کے متوسلین میں سے ایک صاحب نے تبلیغ میں جانے کی اجازت چاہی، اس کے جواب میں حضرتِ مولانا نے یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا، جس میں حدودِ شرع میں رہتے ہوئے تبلیغی سفر میں جانے کی اجازت فرمائی اور بھی متوسلین یا غیر متوسلین میں سے جو حضرات اجازت طلب کرتے ہیں تو ان کو انہیں حدود کی پابندی کے ساتھ اجازت مرحمت فرماتے رہتے ہیں۔

مکرم بندہ:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تبلیغی سفر یا اجتماع وگشت میں اس طرح جائیں کہ گھر پر جو ذریعۂ معاش ہو، اس کو سنبھالنے والا کوئی دوسرا معتبر آدمی موجود ہو، تاکہ سلسلۂ معاش خراب نہ ہو جائے۔ مثلاً کاشتکار اپنی کھیتی باڑی اور اپنے جانوروں کے گھاس دانے کے لئے کوئی معتبر شخص چھوڑ کر جائے۔ اسی طرح تاجر کے لئے ہے کہ اس کی دوکان کو سنبھالنے والا کوئی شخص موجود ہو، یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ بیماری یا موت کی حالت میں بھی تو ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جن میں سلسلۂ معاش خراب

ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حالات تو غیر اختیاری ہیں جن کا بندہ مکلف نہیں ہوتا، اس کا بھی خیال رکھیں کہ جب جائیں تو گھر پر رات کے لئے کوئی دوسرا شخص محرم معتبر موجود ہو اور دن میں باہر کے کام کے لئے کوئی آدمی ہو، تاکہ روزانہ کی بازار وغیرہ کی ضرورت میں تنگی نہ ہو۔

قرض لے کر جانا نہ ہو، اگر کچھ تھوڑا سا قرض لینا بھی ہو تو اس کی ادائیگی کی صورت و ذریعہ اپنے پاس بظن غالب موجود ہو، تاکہ قرض خواہوں کے تقاضے سے ذلت و شرمندگی نہ ہو۔

جن کی ملازمت ہو، ان کی بخوشی اجازت ہو جتنے دن کی رخصت ہو یا گھر جتنے دن کو کہہ کر جائے اتنے دن میں ہی واپسی ہو تاکہ گھر والوں کو تشویش نہ ہو، اور اگر اتفاقاً رکنا یا روکنا معمولی چند دن کے لئے ہو تو گھر پر ڈاک وغیرہ سے اطلاع کر دی جائے تاکہ گھر والوں کو انتظار کی تکلیف و پریشانی نہ ہو۔

علماء اور علم دین کی خدمت کو سب سے اعلیٰ و افضل و اقدم خدمت سمجھیں علماء کی عظمت قلب میں بہت زیادہ ہو، اور تبلیغ کا کام نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع و اعتراض نہ ہو۔

محمد مسیح اللہ عفی عنہ
جلال آباد ضلع مظفر نگر۔ یو۔ پی انڈیا

۷۸۶

تقریظ

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ العالی مفتی جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

احقر نے پورا رسالہ پڑھا ہے۔ تبلیغی کاموں میں کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے سب کو ٹھنڈے دل سے کوتاہیوں کی اصلاح کر لینی چاہیئے، یا کوشش شروع کر دینی چاہیئے۔ کہ ایک دن کوتاہیوں کی تلافی کا بھی آجائے گا۔ ورنہ کم سے کم کوتاہی کو کوتاہی تو سمجھیں کہ کبھی توفیق ہو جائے۔ اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام طریقہ ہائے تبلیغ کو قائم و دائم رکھیں۔ اور کوتاہیوں سے پاک کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

گو تقسیم عمل کے قاعدہ سے ہر ایک کسی ایک کام میں مشغول ہوگا۔ مگر دوسرے طریقوں کو عبث تو نہیں کہہ سکتا۔ وہ بھی کام ہے۔ یہ بھی، خدا تعالیٰ دونوں کو عمدہ طریقوں کی توفیق دیں۔

جمیل احمد تھانوی ۲ جمادی الاول ۹۸ھ
مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ

کا

ارشادِ گرامی

سوال ۱: کیا عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا مع محرم کے درست ہے ؟

۲: مردوں کا تبلیغ کو جانا اور اپنے اہل وعیال کے نان ونفقہ کا انتظام ہی نہ کرنا کہاں تک درست ہے ؟

۳: کیا تبلیغ کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے ، یا واجب یا سُنت ہے ؟

جواب :۔ تبلیغ دین ہر مسلمان پر بقدر اس کے مبلغ علم کے لازم ہے لیکن تبلیغ کی غرض سے سفر کرنا ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ صرف ان لوگوں پر جو تبلیغ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں اور فکر معاش سے بھی فارغ ہوں تبلیغ کے لئے سفر کرنا جائز ہے ۔ فرض ولازم ہر مسلمان کے ذمہ نہیں ہے ۔ اور عورتوں کا تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنا زمانہ خیر الامم میں نہ تھا اور نہ اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں تنہا تبلیغ کے لئے سفر کریں ۔ عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں ۔ حج فرض کے لئے بھی بغیر محرم کے جانا جائز نہیں تو صرف تبلیغ کے لئے کیسے جا سکتی ہیں ۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلوی

(کفایت المفتی جلد ۲ صفحہ ۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ ناکارہ مولفِ رسالہ ہٰذا عرض رساں ہے کہ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ تمام ملل وادیان میں سے اس امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو حسب ارشاد ربانی وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا ، اسی طرح بنایا ہم نے تم کو معتدل امت ۔ صفت اعتدال سے متصف فرما کر امت متوسطہ و معتدلہ بنایا گیا ہے ۔ اور ہر معاملہ میں افراط وتفریط سے بچا کر اس کے لئے اعتدال کا راستہ تجویز فرمایا گیا ہے ۔ غور سے دیکھا جائے تو امت محمدیہ کی اہم خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے ہر حکم میں ہر لحاظ سے صفت اعتدال کو قائم رکھا گیا ، اور افراط وتفریط سے حفاظت کا پورا پورا اہتمام فرمایا گیا ہے ۔ شریعتِ محمدیہ کے احکامات وہدایات پر بغور نظر کرنے سے اس امت کی یہ خصوصیت اچھی طرح واضح ہوجاتی ۔ اور نمایاں نظر آنے لگتی ہے ۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں امتِ مرحومہ اپنے عمل میں اس خصوصیت کو نظر انداز کر رہی ہے ۔ اور مسلمانوں کے تقریباً ہر کام میں حدود سے تعدی اور تجاوز اور افراط وتفریط کا ظہور ونمود ہوتا جا رہا ہے ۔ حال یہ ہے کہ دین کا شاید ہی کوئی شعبہ ایسا رہ گیا ہو جو اس افراط وتفریط اور تجاوز حدود سے محفوظ رہا ہو ۔ ورنہ ہر شعبہ میں ہی تعدی اور تجاوزِ حدود کا یہ مرض عام طور پہ دیکھنے میں آ رہا ہے ۔

منجملہ دینی شعبوں کے تبلیغ و دعوت بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ مگر علم دین کی کمی اور حدود تبلیغ سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ شعبہ بھی افراط و تفریط سے محفوظ نہیں رہ سکا۔

چنانچہ بعض لوگوں نے تو تبلیغ و دعوت میں اس قدر افراط سے کام لیا کہ اس کو ہر حال میں اور ہر شخص کے لئے فرض قرار دے دیا، اور بعض نے اس کی فرضیت و اہمیت سے ایسا صرف نظر کیا کہ اپنے تابع فرمان اور زیر نگران افراد کی اصلاح کی طرف سے بھی بالکل بے اعتنائی اور بے توجہی کرلی۔ غرضیکہ افراط و تفریط دونوں قسم کی کوتاہیاں، دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی پائی جا رہی ہیں۔ اگرچہ تفریط یعنی حد سے کمی کر دینے کی کوتاہی زیادہ عام ہو رہی ہے جس کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اور عام و خاص نصیحت میں بہت ہی کمی ہوتی جا رہی ہے۔ جس کا تدارک نہایت ضروری ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی افراط حد سے بڑھ جانے اور غلو کا بھی بہت سے مقامات میں مشاہدہ ہو رہا ہے اور یہ صورت تو بکثرت سامنے آتی رہتی ہے کہ جن لوگوں کو ایک طرز خاص کے ساتھ دینی کاموں میں کسی قدر حصہ لینے کی توفیق حاصل ہو جاتی ہے۔ یا تبلیغ میں چلہ وغیرہ دینے کا موقع میسر آجاتا ہے، جن میں سے بعض لوگ اپنی اس معمولی دینی جدوجہد اور محدود سعی و محنت کو اتنا اہم اور ہر شخص کے لئے اس کو اس قدر ضروری سمجھنے لگتے ہیں کہ دین کے دوسرے تمام شعبوں، درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ کی قدر و اہمیت ان کے دل میں یا تو بالکل باقی ہی نہیں رہتی یا اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ دوسرے تمام دینی شعبوں میں کام کرنے کی حیثیت و ضرورت ثانوی درجہ میں رہ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی افراط و غلو ہی کی ایک قابل اصلاح صورت ہے۔

حد یہ ہے کہ جن اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام نے دین کے مختلف و متعدد شعبوں میں بڑی بڑی اور گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور انہوں نے اپنی تمام عمریں ہی دینی خدمات میں صرف فرما دی ہیں، اور وہ حضرات شب و روز اشاعت دین اور خواص و عوام کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت کے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ ایسے حضرات پر بھی اسی طرز مخصوص اور نظام خاص کو لازم قرار دیا جاتا ہے اور اس طرز خاص پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک تصور کیا جاتا ہے۔ اور دلوں سے گذر کر زبانوں پر یہ اعتراض آجاتا ہے کہ دین مٹ رہا ہے اور یہ حضرات تبلیغ نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے لوگ تبلیغ و دعوت کی حقیقت اور اس کی حدود سے ناواقف ہیں۔ اس وجہ سے وہ ایک نظام خاص ہی کو تبلیغ دین کے فریضہ کی ادائیگی کیلئے ضروری سمجھتے ہیں، اور جو شخص اس نظام خاص پر کاربند نہ ہو اس کو یہ لوگ فرض تبلیغ کا تارک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کسی غیر واجب نظام عمل اور طریق کار کو اتنی اہمیت دے دینا۔ کہ اس کو مقصود سمجھ لیا جائے یا کسی مامور بہ کے انجام پانے کی مختلف اور متعدد جائز صورتوں میں سے کسی ایک خاص صورت کو سب کے لئے لازم سمجھ لینا۔ حدود سے تجاوز کی وجہ سے اس کو افراط کا مصداق بنا دیتا ہے۔ جس کی قباحت واضح اور اس کا غلو ہونا ظاہر ہے امت مرحومہ کے مزاج معتدل کے جس طرح تفریط مخالف ہے کہ دعوت و تبلیغ کی کمی سے اسلامی زندگی میں تعطل اور بد عملی راہ پاتی ہے۔ اسی طرح افراط بھی اس امت کے مزاج اعتدال کے موافق نہیں ہے۔ اس افراط و غلو سے نظام امت میں خلل واقع ہو کر اختلاف و انتشار کا دروازہ کھلتا اور دینی خدمات میں حرج و رخنہ واقع ہونے لگتا ہے جیسا کہ بعض مقامات کا حال معلوم ہوا ہے کہ وہاں، افراط و غلو اور حدود کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے

باہمی اختلاف وافتراق کا ایسا ناخوش گوار ماحول بن گیا کہ اس نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی اور دینی کاموں میں حرج واقع ہونے لگا کیونکہ کسی دینی خدمت کے متعدد جائز طریقوں میں سے کسی ایک ہی طرز اور طریقہ پر اس کو مقصد بنا کر حد سے زیادہ زور دینے اور غلو کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ دینی حلقوں میں آپس ہی میں۔ اختلاف وانتشار پیدا ہوکر اتحاد امت اور نظم ملّت پارہ پارہ ہونے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے جائز طریقہ پہ دینی خدمت سے انقباض اور گرانی کا ہونا۔ افراط اور غلو ہونے کے ساتھ عدم اخلاص کی بھی نشانی ہے، جیسا کہ مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ:

"اخلاص کی نشانی یہ ہے کہ اگر اسی کام کو دوسرے جائز طریقہ پہ کرنے لگے۔ تو خوشی ہو کہ ہمارا ہاتھ بٹایا اور گرانی ہو اور ناگواری ہو کہ یہ دوسرے طریقہ پہ کام کیوں شروع ہوگیا، تو یہ عدم اخلاص کی نشانی ہے۔[1]

ایسے لوگوں کی اصلاح کے لئے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی مدظلہ العالی۔ خلیفہ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ذیل ہر وقت پیش نظر رکھنے، اور زیادہ سے زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ ارشاد فرمایا کہ

"دین کے ہر خادم کو چاہیئے کہ دین کے دوسرے خادموں کو اپنا رفیق سمجھے فریق نہ سمجھے اسی طرح ہر دینی ادارہ کے بارہ میں ہر جماعت کے خدام دین کو دوسری جماعت کے خدام دین کے بارہ میں بدگمانی اور حسد اور غیبت و اعتراض کا دروازہ بند ہوجاتا ہے اور فریق سمجھنے سے سب فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔"[2]

---

[1] تبلیغ دین۔ [2] مجالس ابرار ص ۱۴۴۔

مقصد یہ ہے کہ دین کے اس شعبہ میں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے جو علمی یا اعتقادی افراط و تفریط پایا جاتا ہے۔ وہ قابل اصلاح ہے اور اس کی اصلاح کی ضرورت کا احساس عام طور پہ دینی حلقوں میں کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی نے اس ضرورت کا احساس فرما کر اشرف الہدایات لاصلاح المنکرات احکام تبلیغ کیا ہیں۔ ایک نہایت جامع اور مفید رسالہ تالیف فرما کر شائع فرمایا ہے اس میں بڑی تفصیل و بسط کے ساتھ تبلیغ کے احکام اور فضائل کا بیان فرمادیا گیا ہے جزاهم الله خيراً۔

بایں ہمہ دعوت و تبلیغ کے آداب، احکام اور اس کے اصول و حدود کی زیادہ سے زیادہ اشاعت و تبلیغ کی ضرورت کا احساس عام ہوتا جا رہا ہے خصوصاً تبلیغ کے طریق کار کی شرعی حیثیت کی وضاحت کی ضرورت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ اس لئے یہ رسالہ بنام "دعوت و تبلیغ کے آداب، احکام اور اس کے طریق کار کی شرعی حیثیت" اسی ضرورت و مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اگر اصلاحی اور تبلیغی کام کرنے والے حضرات اس کو پیش نظر رکھیں تو اُمید ہے کہ یہ رسالہ ان کے لئے رہنما اور مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔ اس رسالہ میں اگرچہ زیادہ مواد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معارف القرآن اور حضرت مولانا عبدالباری ندوی مرحوم (خلیفہ حضرت حکیم الامّت تھانویؒ) کی تالیف تجدید تبلیغ و تعلیم سے حاصل کیا گیا ہے۔

مگر چونکہ عبارت کی ترتیب اور نتائج کے استنباط میں اس ناکارہ کے ناقص علم و فہم کا بھی دخل ہے۔ اس لئے ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی غلطی اور فروگزاشت نظر آئے تو اس کو کسی جماعت کی مخالفت یا گروہی تعصب پر محمول کرنے کی بجائے از راہ نصیحت و خیر خواہی ناکارہ کو مطلع فرما کر ممنون فرمایا جائے۔

احقر نے مزید اطمینان کے لئے، مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دام فیوضہم کو بھی یہ رسالہ دکھایا ہے۔ موصوف نے اس پورے رسالہ کو ملاحظہ فرما کر اس پر چند کلمات بھی ارقام فرمائے ہیں، اور اس رسالہ کا تاریخی نام

اسالیب التبلیغات

۱۹۷۸ء

(جو کہ اس رسالہ کی طباعت کا سال ہے) تجویز فرمایا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مقبول اور نافع بنائیں۔ آمین

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ فقط

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا
۷ ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت و تبلیغ کے آداب و احکام

اور اسکے

طریق کار کی شرعی حیثیت

دعوت کے لفظی معنی بلانے اور تبلیغ کے معنی پہنچانے کے ہیں انبیاء علیہم الصلاۃ و السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور ان کو احکامات الٰہیہ کا پہنچانا ہے تمام تعلیمات نبوت و رسالت اسی دعوت و تبلیغ کی تشریحات و تفصیلات ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کا حکم، اور آداب دعوت کی تعلیم، قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صفت، داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) ہونا اور تبلیغ احکام پر آپ کا مامور ہونا مذکور ہے، اور اس دعوت و تبلیغ کے لئے اصول و آداب کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد ہے

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔

آپ اپنے ربّ کی راہ (یعنی دین اسلام) کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے۔

حکمت سے وہ طریقہ دعوت مراد ہے جس میں مخاطب کے احوال کی رعایت سے ایسی تدبیر اختیار کی گئی ہو جو مخاطب کے دل پر اثر انداز ہو سکے اور نصیحت سے مراد یہ ہے کہ خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ سے بات کہی جائے اور اچھی نصیحت سے مراد یہ ہے کہ عنوان بھی نرم ہو دل خراش توہین آمیز نہ ہو (معارف القرآن) اور اچھے طریقہ

سے بحث کرنے کا مطلب یہ رہا ہے کہ اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو وہ بھی شدت اور خشونت سے اور مخاطب پر الزام تراشی اور بے انصافی سے خالی ہونا چاہیئے اور گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے۔ دلائل ایسے معروف و مشہور پیش کئے جائیں جس کو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے اور اس کے شکوک دور ہوں۔ قرآن کریم کی دوسری آیات اس پر گواہ ہیں کہ بحث و مباحثہ کا یہ طریقہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں۔ اہل کتاب کے بارہ میں بھی قرآن کریم کا یہی ارشاد ہے۔ اور ایک آیت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو قولا لہ قولا لیناً کی ہدایت دے کر یہ بھی تبلادیا کہ فرعون جیسے سرکش کافر کے ساتھ بھی یہی لطف و نرمی کا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیئے۔

تشریح: آیت مذکورہ میں دعوت کے لئے تین آداب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ آداب دعوت ہر مخاطب کے لئے استعمال کرنے ہیں کہ دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے۔ پھر اس کلام میں خیر خواہی ہمدردی کے جذبات کے ساتھ ایسے شواہد و دلائل سامنے لانا ہے جس سے مخاطب مطمئن ہو سکے اور طرز کلام ایسا مشفقانہ اور نرم رکھنا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل اصول دعوت دو ہیں۔ حکمت اور موعظت جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونی چاہیئے۔ خواہ خاص کو ہو یا عوام کو۔ البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے۔ جو شکوک و اوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث و مباحثہ پر آمادہ ہو تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی

گئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کی قید لگا کر تبلادیا کہ وہ مجادلہ بھی۔ اچھے طریقہ اور مناسب انداز سے ہونا چاہیئے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کے عملی نمونے اور کفار کیساتھ ان کے ان مجادلات کی۔ جو اپنے معاند اور ضدی قوم کے مقابلہ میں کئے گئے ہیں۔ عملی تشریح سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے اس میں کہیں بھی یہ نظر نہیں آتا۔ کہ کسی اللہ کے رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی ثقیل کلمہ بھی بولا ہو۔

دعوت و تبلیغ کی رُوح مجادلات کے علاوہ دعوت و تبلیغ میں مخاطب اور موقع کے مناسب کلام کرنے میں حکیمانہ اصول اور عنوان و تعبیر میں حکمت و مصلحت کی جو رعایتیں بھی انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمائی ہیں۔ اور دعوت الی اللہ کے قابل قبول اور موثر بنانے کے لئے جو طرز عمل اختیار فرمایا ہے وہی دراصل دعوت و تبلیغ کی رُوح ہے۔ نمونہ کے طور پر چند مثالیں پیش ہیں۔

دعوت الی اللہ کے پیغمبرانہ آداب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت میں اس کا بڑا لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے۔ صحابہ کرام جیسے عشاق رسولؐ جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ کی باتیں سننے سے اکتا جائیں گے۔ ان کے لئے بھی آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وعظ و نصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے۔ تاکہ لوگوں کے کاروبار کا حرج اور ان کی طبیعت پر بار نہ ہو

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے بعض ایام ہی میں وعظ فرماتے تھے۔ تاکہ ہم اکتا نہ جائیں اور دوسروں کو بھی آپ کی طرف سے یہی ہدایت تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا

لوگوں پر آسانی کرو دشواری نہ پیدا کرو اور ان کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری
سناؤ مایوس یا متنفر نہ کرو۔[1]

آج کل جو وعظ و تبلیغ کا اثر بہت کم ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عموماً اس کام کے کرنے والے ان اصول و آداب کی رعایت نہیں کرتے۔ لمبی لمبی تقریریں، وقت بے وقت نصیحت، مخاطب کے حالات کو معلوم کئے بغیر اس کو کسی کام پر مجبور کرنا ان کی عادت بن گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و اصلاح کے کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا کہ مخاطب کی سُبکی یا رسوائی نہ ہو۔ اسی لئے جب کسی شخص کو دیکھتے کہ کسی غلط اور بُرے کام میں مبتلا ہے تو اس کو براہ راست خطاب کرنے کے بجائے مجمع کو مخاطب کر کے فرماتے تھے۔ مابالُ اقوامٍ یفعلون کذا۔ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ فلاں کام کرتے ہیں، اس عام خطاب میں جس کو سنانا اصل مقصود ہوتا وُہ وہ بھی سُن لیتا، اور دل میں شرمندہ ہو کر اس کے چھوڑنے کی فکر میں لگ جاتا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی عام عادت یہی تھی کہ مخاطب کو شرمندگی نہ دلاتے تھے اسی لئے بعض اوقات جو کام مخاطب سے سرزد ہوا ہے۔ اس کو اپنی طرف منسوب کر کے اصلاح کی کوشش فرماتے۔ سورہ یٰسین میں ہے وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ یعنی مجھے کیا ہو گیا کہ میں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت نہ کروں۔ قاصد رسول تو ہر وقت عبادت میں مشغول تھے۔ سنانا اس مخاطب کو تھا جو عبادت میں مشغول نہیں ہے مگر اس کام کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔

آجکل اول تو دعوت و اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف دھیان ہی نہ رہا۔ اور جو اس میں مشغول بھی ہیں انہوں نے صرف بحث و مباحثہ، مخالف پر الزام تراشی، فقرے کسنے اور اس کی توہین و تحقیر کرنے کو دعوت و تبلیغ سمجھ لیا ہے۔ جو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کبھی مؤثر و مفید نہیں ہوتا۔ وُہ سمجھتے رہتے ہیں

[1] صحیح بخاری کتاب العلم

کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور حقیقت میں وہ لوگوں کو متنفر کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

ایک ضروری تنبیہ:- قرآن کریم نے مجادلہ میں بالتی ھی احسن کی قید لگا کر جس طرح یہ بتلا دیا کہ وہ نرمی، خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ سے ہونا چاہیئے اور اس میں مخاطب کی توہین و تحقیر سے کلی اجتناب کرنا چاہیئے اسی طرح اس کے احسن ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وُہ خود متکلم کے لئے مضر نہ ہو جائے، کہ اس میں اخلاقِ رذیلہ حسد، بغض، تکبر، جاہ پسندی وغیرہ پیدا نہ ہو جائیں۔ جو باطنی گناہ کبیرہ ہیں۔[1] ہر دو مبلغ و مصلح کے لئے اس تنبیہ کو پیش نظر رکھنا اور خود کو اخلاق رذیلہ سے بچانا، نہایت ہی ضروری ہے۔

ایک اہم اصُول:- دعوت پیغمبرانہ کے خاص اصول میں ایک اہم اصُول یہ ہے کہ جو ہدایت عام خلق اللہ کو دی جاتے۔ اس کو پہلے اپنے گھر سے شروع کرے۔ اپنے گھر والوں کو اس کا ماننا اور منوانا نسبتاً آسان بھی ہوتا ہے۔ اس کی نگرانی بھی ہر وقت کی جا سکتی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت قرآنی وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا۔ یعنی آپ اپنے اہل کو بھی نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس پر جمے رہیئے، نازل ہوئی تو آپ روزانہ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے۔ الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ۔[2]

دعوت پیغمبرانہ کے اصول میں جو ہدایت قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے لئے نقل کی گئی ہے۔ یعنی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى فرعون سے نرم بات کرو شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ اصلاح و ہدایت کا فریضہ انجام دینے والوں پر لازم ہے کہ مخاطب کے

[1] معارف القرآن [2] قرطبی

ساتھ، ہمدردانہ انداز سے بات نرم کریں تاکہ اس کو غور و فکر کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنی سرکشی اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے مگر اپنے پیغمبروں کو اسی اصُول کا پابند کرنا تھا جس کے ذریعہ خلق خدا سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو کر خُدا تعالیٰ کے خوف کی طرف آجائے۔ فرعون کو ہدایت ہو یا نہ ہو، مگر اصول وہ ہونا چاہیئے جو ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بن سکے۔

آدابِ دعوت و تبلیغ کا تکملہ آداب دعوت کو استعمال کرنے کے باوجود جب مخاطب حق بات کو قبول نہ کرے۔ تو طبعی طور پر انسان کو سخت صدمہ پہونچتا ہے اور بعض اوقات اس کا یہ اثر بھی ہوسکتا ہے۔ کہ دعوت کا فائدہ نہ دیکھ کر آدمی پر مایُوسی طاری ہو جائے، اور کام ہی چھوڑ بیٹھے اس لئے اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ میں تسلّی کے لئے ارشاد فرمایا کہ آپ کا کام صرف دعوت حق کو اصول صحیحہ کے مطابق ادا کر دینا ہے۔ آگے اس کو قبُول کرنا یا نہ کرنا اس میں نہ آپ کا کوئی دخل ہے نہ ذمہ داری یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون گمراہ رہے گا اور کون ہدایت پائے گا۔ آپ اس فکر میں نہ پڑیں اپنا کام کرتے رہیں۔ اس میں ہمت نہ ہاریں، مایُوس نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ یہ جملہ بھی آداب دعوت ہی کا تکملہ ہے۔

امّت پر فریضہ دعوت و تبلیغ قرآن و سُنّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر امت محمدیہ پر بھی اس فریضہ دعوت و تبلیغ کی انجام دہی کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی ذمہ داری ہر مسلمان پر ڈالنے کے لئے قرآن و سُنّت میں بہت سے واضح ارشادات موجود ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے کیونکہ تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔"

اس آیت میں پوری امّت پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا گیا ہے، اور دوسرے امتّوں پر اس کی فضیلت کا سبب ہی اس خاص کام کو بتلایا ہے۔ اسی طرح رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارہ میں بیشمار ہیں ترمذی اور ابن ماجہ، وغیرہ کی روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

والذی نفسی بیدہ لتامرون بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذاباً من عندہ ثم لتدعنہ فلا یستجیب لکم۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے ساتھ تم سب پر بھی اپنا عذاب بھیجدے اس وقت تم خدا تعالیٰ سے دُعا مانگوگے تو قبول نہ ہوگی۔"

ایک حدیث میں ہے کہ

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔

یعنی تم میں سے جو شخص کوئی گناہ ہوتا ہُوا دیکھے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ اور قوت سے اس کو روک دے اور اگر یہ بھی نہ کرسکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کرسکے تو کم از کم دل میں اس فعل کو برا سمجھے اور یہ ادنیٰ درجہ کا ایمان ہے۔

ان آیات و روایات سے یہی ثابت ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امّت کے ہر فرد پر لازم ہے۔

تبلیغ وارشاد میں تدریج بقدر استطاعت

البتہ تمام احکام شرعیہ کی طرح اس میں بھی ہر شخص کی قدرت واستطاعت پر احکام دائر ہوں گے جس کو جتنی قدرت ہو اتنا ہی امر بالمعروف کا فریضہ[1] اس پر عائد ہوگا۔ ابھی جو حدیث آپ نے دیکھی ہے۔ اس میں استطاعت ہی پر مدار رکھا گیا ہے۔ اور آیت، فاصدع بما تؤمر کے نازل ہونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام، چھپ چھپ کر عبادت اور تلاوت کرتے تھے اور تبلیغ وارشاد کا سلسلہ بھی خفیہ ہی ایک، ایک، دو، دو، فرد کے ساتھ جاری تھا۔ کیونکہ اظہار واعلان میں، کفار کی ایذا رسانی کا خطرہ تھا۔ حدیث مذکور میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ گناہوں کو ہاتھ وقوت سے نہ روک سکے تو زبان سے روکے اور زبان سے روکنے پر قدرت نہ ہو تو دل ہی سے بُرا سمجھے،

ظاہر ہے کہ زبان سے روکنے پر قدرت نہ ہونے کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ اس کی زبان، حرکت نہیں کر سکتی۔ بلکہ مراد یہی ہے کہ اُس کو یہ خطرہ قوی ہے، کہ اس نے حق بات کی تلقین کی تو اس کی جان جائے گی، یا کوئی دوسرا شدید نقصان پہنچ جائیگا ایسی حالت میں اس شخص کو قادر نہ سمجھا جائے گا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک پر اس کو گنہگار نہ کہا جائے گا۔ پھر استطاعت وقدرت ہر کام کی جدا ہوتی ہے امر بالمعروف کی قدرت پہلے تو اس پر موقوف ہے کہ وہ معروف و منکر اس شخص کو پوری طرح صحیح معلوم ہو، جس کو خود ہی معروف و منکر کی تمیز نہ ہو یا اس مسئلہ کا پورا علم نہ ہو۔ وہ اگر دوسرے کو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ بجائے اصلاح کے فساد ہوگا، اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر کسی معروف کو منع کرنے لگے یا منکر کا حکم کرنے لگے۔ اس لئے جو شخص خود معروف و

[1] صاحب حکومت وافسران پر ان کی قدرت کے موافق ہے۔ وکیلوں مقدمات والوں پر ان کی، صاحب دولت پر اسکی، طاقت کے موافق (از حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی)

منکر سے واقف نہیں اس پر یہ فریضہ تو عائد ہے کہ واقفیت پیدا کرے۔ اور احکام شرعیہ کے معروف و منکر کا علم حاصل کرے اور پھر اس کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے۔ لیکن جب تک اس کی واقفیت نہیں۔ اس کا اس خدمت کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں جیسے اس زمانہ میں بعض جاہل وعظ کہنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نہ انہیں قرآن کا علم ہے نہ حدیث کا، یا بہت سے عوام سُنی سنائی، غلط باتوں کو لے کر لوگوں سے جھگڑنے لگتے ہیں، کہ ایسا کرو یہ طریق کار بجائے معاشرہ کے درست کرنے کے اور زیادہ ہلاکت اور جنگ وجدل کا سبب ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، من رای منکم میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس وقت عاید ہوگا جبکہ کوئی شخص اپنے سامنے منکر کو ہوتے ہوئے دیکھے مثلاً ایک شخص دیکھ رہا ہے کہ کوئی مسلمان شراب پی رہا ہے، یا چوری کر رہا ہے یا کسی غیر عورت سے مجرمانہ اختلاط کر رہا ہے تو اس کے ذمہ واجب ہوگا، کہ اپنی استطاعت وقدرت کے مطابق اس کو روکے اور اگر اس کے سامنے یہ سب کچھ نہیں ہو رہا تو یہ فریضہ اس کے ذمہ نہیں۔ بلکہ یہ فریضہ اسلامی حکومت کا ہے کہ مجرم کے جرم کی تحقیق و تفتیش کرکے اس کو سزا دے۔

امر بالمعروف میں تفصیل

ہر شخص پر اس کی قدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔ لیکن اس کے وجوب میں یہ تفصیل ہے کہ امور واجبہ میں معروف کا امر اور منکر سے نہی کرنا واجب اور امور مستحبہ میں مستحب ہے، مثلاً نماز پنجگانہ فرض ہے۔ تو ہر شخص پر واجب ہوگا کہ بے نمازی کو وصیت کرے اور نوافل مستحب ہیں اس کی نصیحت کرنا مستحب ہوگا۔

ایک ضروری ادب

اس کے علاوہ ایک ضروری ادب یہ بھی پیش نظر رکھنا

ہوگا کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی سے اور واجبات میں اولاً نرمی اور نہ ماننے پر سختی کی بھی گنجائش ہے۔ آجکل لوگ مستحبات میں یا مباحات میں تو سختی سے روک ٹوک کرتے ہیں لیکن امور واجبہ اور فرائض کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتے۔

جس جگہ مخاطب کے ماننے کا گمان غالب ہو اسی جگہ پر برائی سے روکنا اور منع کرنا فرض ہے۔

جس جگہ بات سننے اور ماننے کا احتمال غالب ہو وہاں مشائخ اور علماء پر بلکہ ہر مسلمان پر جس کو اس کا جرم وگناہ ہونا معلوم ہو۔ فرض ہے کہ گناہ کو روکنے اور منع کرنے میں۔ مقدور بھر کوشش کرے خواہ ہاتھ سے یا زبان سے یا کم ازکم اپنے دل کی نفرت و اعراض سے اور جس جگہ غالب گمان یہ ہو کہ اس کی بات نہ سنی جائے گی یا یہ کہ اس کے خلاف دشمنی بھڑک اُٹھے گی، تو ایسی حالت میں منع کرنا اور روکنا فرض تو نہیں رہتا مگر افضل و اعلیٰ بہرحال ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> امر بالمعروف کے وجوب کے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو مخاطب سے توقع ہو قبول کی اور کم ازکم کسی ضرر کا خوف نہ ہو۔ اور ایک یہ کہ مخاطب کو اس کا علم نہ ہو اور اکثر یہی ہے کہ جہاں علم نہ ہو وہاں توقع ہوتی ہے قبول کی اور اگر علم ہو تو اکثر ناگواری کا سبب ہوتا ہے[1]۔

جب سے مسلمانوں نے اس فریضہ کو نظر انداز کر دیا اور جرائم کی روک تھام کو صرف حکومت اور اس کی پولیس کا فرض سمجھ کر خود اس سے علیحدہ ہو بیٹھے تو اس کا نتیجہ وہی ہُوا جو آج ہر جگہ سامنے ہے اس لئے ملت کی اجتماعی اصلاح کے لئے قرآن وحدیث

---

[1] افاضات الیومیہ ج ۴ ملفوظ نمبر ۱۸۰

میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ قرآن نے اس کام کو امّت محمدیہ کی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے کو سخت گناہ اور موجب عذاب قرار دیا ہے۔ حدیث میں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی قوم میں گناہ کے کام کئے جائیں اور کوئی آدمی اس قوم میں رہتا ہے اور ان کو منع نہیں کرتا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر عذاب بھیج دے[1]۔ عوام کا تو کیا ذکر خواص علماء وصلحاء میں اس ضرورت کا احساس بہت کم ہے۔ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اپنے اعمال درست کئے جائیں۔ تو یہ کافی ہے۔ دُوسروں کی اصلاح کی فکر گویا اُن کے ذمہ ہی نہیں پھر اگر کچھ لوگ دعوت اصلاح کے فریضہ کی طرف توجہ دیتے بھی ہیں۔ تو وہ قرآنی تعلیمات اور دعوت پیغمبرانہ کے اصول و آداب سے ناآشنا ہیں۔ بے سوچے سمجھے جس کو جس وقت جو چاہا کہہ ڈالا اور یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے حالانکہ یہ طرز عمل سنت انبیاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دین اور احکام دین پر عمل کرنے سے اور زیادہ دُور پھینک دیتا ہے۔

اثر نہ ہونے کا سبب اس زمانہ میں دعوت واصلاح کا کام پوری طرح مؤثر نہ ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ فساد زمانہ اور حرام چیزوں کی کثرت کے سبب عام طور پر لوگوں کے قلوب سخت اور آخرت سے غافل ہوگئے ہیں۔ اور قبُول حق کی توفیق کم ہوگئی ہے اور بعض تو اس قہر میں مبتلا ہیں جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی کہ

> "آخر زمانہ میں بہت سے لوگوں کے قلوب اوندھے ہوجائیں گے۔ بھلے بُرے کی پہچان اور جائز ناجائز کا امتیاز ان کے دل سے اُٹھ جائے گا"

---

[1] بحر محیط

اس اہم فریضہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ امت میں ایک جماعت خاص دعوت وارشاد ہی کے لئے قائم رہے۔ اس کا وظیفہ ہی یہ ہو کہ اپنے قول و عمل سے لوگوں کو قرآن و سنت کی طرف بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے کی اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ فریضہ مکمل طور پر اسی وقت ادا کیا جا سکتا ہے جب اس جماعت کو مسائل کا پورا علم بھی ہو اور امر بالمعروف کے آداب و طریقے بھی سنت کے مطابق اس کو معلوم ہوں۔ آیت ذیل میں ایسی خاص جماعت جس کا وظیفہ دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو، کی ضرورت و اہمیت کو بتلاتے ہوئے فرمایا ہے:۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف
وینھون عن المنکر

یعنی تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں
اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں۔ اور برے کاموں سے روکا کریں"۔

ولتکن منکم امة میں اشارہ ہے کہ اس جماعت کا وجود ضروری ہے۔ اگر کوئی حکومت یہ فریضہ انجام نہ دے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ایسی جماعت قائم کریں۔ پھر اس جماعت کے بعض اہم اوصاف اور امتیازات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یدعون الی الخیر یعنی اس جماعت کا پہلا امتیاز خصوصی یہ ہوگا کہ وہ خیر کی طرف دعوت دیا کرے گی۔ گویا دعوت الی الخیر۔ اس کا مقصد اعلیٰ ہوگا۔

خیر سے مراد کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں

میں ارشاد فرمایا:۔

الخیر ھو اتباع القرآن وسنتی
یعنی خیر سے مراد قرآن اور میری سنت کا اتباع ہے[۱]

خیر کی اس سے زیادہ جامع اور مانع تعریف نہیں ہو سکتی۔ پورا دین شریعت اس میں آگیا پھر یدعون کو صیغہ مضارع سے لاکر بتلایا کہ اس جماعت کا وظیفہ ہی دعوت الی الخیر ہوگا۔ یعنی دعوت الی الخیر کی مسلسل اور لگاتار کوشش ان کا فریضہ ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ اس کی ضرورت خاص مواقع پر ہوگی۔ جب وہ منکرات دیکھے جائیں، لیکن یدعون الی الخیر کہہ کر بتلا دیا کہ اس جماعت کا کام دعوت الی الخیر ہوگا۔ اگرچہ اس وقت منکرات موجود نہ ہوں یا کسی فرض کی ادائیگی کا وقت نہ ہو۔ مثلاً آفتاب نکلنے کے بعد زوال تک نماز کا وقت نہیں لیکن یہ جماعت اس وقت بھی نماز پڑھنے کی تلقین کرے گی کہ وقت نماز آنے کے بعد نماز ادا کرنا ضروری ہے یا روزہ کا وقت نہیں آیا۔ ابھی رمضان کا مہینہ دور ہے لیکن وہ جماعت اپنے فرض سے غافل نہیں رہے گی بلکہ وہ پہلے سے لوگوں کو بتلاتی رہے گی کہ جب رمضان کا مہینہ آئے تو روزہ رکھنا فرض ہوگا غرضیکہ اس جماعت کا فریضہ دعوت الی الخیر ہوگا۔

دعوت الی الخیر کے مدارج

پھر اس دعوت الی الخیر کے دو درجے ہیں۔ پہلا یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔ مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کی تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے زبان سے بھی اور عمل سے بھی دعوت الی الخیر کا دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت خیر دینا ہے۔ کہ تمام مسلمان علی العموم اور جماعت خاصہ علی الخصوص مسلمانوں کے درمیان

---

[۱] ابن کثیر

تبلیغ کرے اور فریضہ دعوت الی الخیر انجام دے۔ پھر اس میں بھی ایک تو دعوت الی الخیر عام ہوگی۔ یعنی تمام مسلمانوں کو ضروری احکام و اسلامی اخلاق سے واقف کیا جائے۔ دوسری دعوت الی الخیر خاص ہوگی یعنی امت مسلمہ میں علوم قرآن و سنت کے ماہرین پیدا کرنا۔ اس طرف ایک دوسری آیت میں رہنمائی کی گئی ہے۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی
الدین۔ و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم
یحذرون۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم احکام اور اس کی ضرورت سے تعلم احکام ایسا اہم فریضہ ہے کہ عین جہاد حقیقی میں (جو اعظم العبادات ہے) مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کی خدمت انجام دے تو اور کسی وقت اس کا اہتمام کیوں نہ واجب ہوگا۔

آگے اس جماعت داعیہ کا دوسرا وصف اور امتیاز خصوصی یہ بتلایا کہ یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر یعنی وہ لوگ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ آیت کے اختتام پر اس جماعت کے انجام اور عاقبت محمودہ کو ان لفظوں میں فرمایا۔ واولٓئک ھم المفلحون۔ یعنی درحقیقت یہ لوگ کامیاب ہیں۔ فلاح و سعادت دارین ان ہی کا حصہ ہے۔ اس جماعت کا سب سے پہلا مصداق جماعت صحابہ ہے۔ جو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عظیم مقصد کو لے کر اٹھی اور قلیل عرصہ میں ساری دنیا پر چھا گئی روم اور ایران کی عظیم سلطنتیں روند ڈالیں اور تقوی کی شمعیں روشن کیں۔

مبلغین اسلام کے لئے چند ہدایات جو شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہشمند ہو جو عقائد و نظریات میں

اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو[1]۔ قوموں کی اصلاح و تبلیغ میں نہ ہر جگہ سختی مناسب ہے نہ ہر جگہ نرمی۔ بلکہ ہر ایک کا ایک موقع اور ایک حد ہے۔ چنانچہ بت پرستی کے معاملہ میں حضرت خلیل اللہ نے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں کیونکہ اس کی گمراہی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے۔ اور نجوم پرستی کے معاملہ میں ایسے سخت الفاظ نہیں فرمائے بلکہ ایک خاص تدبیر سے معاملہ کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا۔ کیونکہ سیاروں اور ستاروں کا بے بس اور بے اختیار ہونا اتنا واضح اور کھلا ہوا نہیں تھا جتنا خود تراشیدہ بتوں کا، اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عوام اگر کسی ایسی غلطی میں مبتلا ہوں جس کا غلطی اور گمراہی ہونا عام نظروں میں واضح نہ ہو تو عالم اور مبلغ کو چاہیئے کہ تشدد کے بجائے ان کے شبہات کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔

علماء اور مشائخ کی ذمہ داری آیت کریمہ لولا ینھاھم الربانیون الاحبار الآیہ میں یہود کے مشائخ اور علماء کو اس پر سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ان لوگوں کو برے اعمال سے کیوں نہیں روکتے۔ قرآن میں اس جگہ دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ایک ربانیون جس کا ترجمہ ہے اللہ والے یعنی عابد زاہد، جن کو ہمارے عرف میں درویش یا پیر یا مشائخ کہا جاتا ہے اور دوسرا لفظ احبار استعمال فرمایا ہے۔ یہود کے علماء کو احبار کہا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری ان دو طبقوں پر ہے۔ ایک مشائخ دوسرے علماء[2]۔

اصلاح اعمال کا صوفیانہ طریقہ اصلاح اعمال کا سب سے زیادہ اہتمام کرنے والے حضرات صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ ہیں۔ ان حضرات نے انہیں ارشادات قرآنیہ سے یہ اہم اصول اخذ کیا ہے

[1] معارف القرآن [2] معارف القرآن

کہ جتنے برے یا بھلے اعمال انسان کرتا ہے۔ اصل میں ان کا اصل سرچشمہ وہ مخفی ملکات اور اخلاق ہوتے ہیں جو انسان کی طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ اسی لئے برے اعمال اور جرائم کی روک تھام کے لئے ان کی نظر ان ہی مخفی ملکات پر ہوتی ہے اور ان کی اصلاح کر دیتے ہیں تو تمام اعمال خود بخود درست ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً کسی کے دل میں مال دنیا کی حرص کا غلبہ ہے، وہ اس کے نتیجہ میں رشوت بھی لیتا ہے سود بھی کھاتا ہے اور موقع ملے تو چوری اور ڈاکہ تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حضرات صوفیائے کرام ان جرائم کا الگ الگ علاج کرنے کے بجائے وہ نسخہ استعمال کرتے ہیں جس سے ان جرائم کی بنیاد منہدم ہو جاتے اور وہ ہے دنیا کی ناپائیداری اور اس کی عیش کے زہر آلود ہونے کا استحضار اسی طرح کسی کے دل میں تکبر اور غرور ہے۔ یا وہ غصہ میں مغلوب ہے اور دوسروں کی تحقیر و توہین کرتا ہے۔ دوستوں اور پڑوسیوں سے لڑتا ہے۔ یہ حضرات فکر آخرت اور خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کو مستحضر کرنے والا نسخہ استعمال کرتے ہیں جن سے یہ اعمال بد خود بخود ختم ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قرآنی اشارہ سے معلوم ہوا کہ انسان میں کچھ ملکات ہوتے ہیں جو طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں یہ ملکات خیر اور بھلائی کے ہیں۔ تو نیک عمل خود بخود ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح ملکات برے ہیں تو برے اعمال کی طرف انسان خود بخود دوڑنے لگتا ہے۔ مکمل اصلاح کے لئے ان ملکات کی اصلاح ضروری ہے[1]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تبلیغی مساعی جمیلہ اور اہتمام اصلاح اُمت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں تبلیغ کی خدمت اور اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نہ صرف سینکڑوں وعظ اور سفر اسی خدمت

[1] معارف القرآن

کی انجام دہی کے لئے فرمائے بلکہ کثرت سے مواعظ و ملفوظات میں تبلیغ کے اہم اقدم فریضہ دینی کے لئے مسلمانوں کو متوجہ اور متنبہ فرماتے رہے۔ آداب التبلیغ محاسن الاسلام الدعوت الی اللہ صلاح و اصلاح وغیرہ بہت سے مطول وعظوں کا تو مستقل موضوع ہی فریضہ تبلیغ کی اہمیت و افادیت اور اس کے آداب و احکام کی تفصیل ہے حضرت تھانوی کی اصلاحی اور تجدیدی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کو دیکھ کر یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کی ذات گرامی کو اصلاح امت اور تجدید ملت کی اہم خدمات کے لئے ہی پیدا فرمایا تھا۔ اس لئے حضرت والا کی تمام زندگی ہی اصلاح امت کے اہتمام میں بسر ہوئی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں علمی اور عملی اصلاح کا ایک نہایت اور مفید نظام اور دستور العمل پیش فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ (الآیہ) میں حکمت و موعظت حسنہ اور جدال احسن کے عنوان سے دعوت و تبلیغ کے جن طریقوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کے مواعظ حسنہ ان سب طریقوں کا نہایت جامع ذخیرہ اور دین کے مبلغوں اور داعیوں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے مواعظ قصہ گو واعظوں کا وعظ یا محض کسی لفاظی و جوشِ بیان مقرر کی تقریر نہیں ہے بلکہ یہ مواعظ پورے دین اور اسکے سارے ابواب و احکام کی تبلیغ و دعوت کا نہایت ہی محققانہ۔ حکیمانہ اور عالمانہ۔ مجتہدانہ اور مجددانہ خزانہ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ مواعظ دعوت و تبلیغ کے اصول و حدود کی اصلاح و تجدید کا بھی کامل و مکمل عملی سرمایہ ہیں۔

جب تک حضرت تھانوی کی قوت نے سفر کی اجازت دی کثرت سے وعظ کے لئے سفر فرماتے رہے۔ پھر جتنی کثیر تعداد میں قلم بند ہو کر ان مواعظ کی حق تعالیٰ نے حفاظت فرما دی۔ اس کی نظیر امت کی ساری تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ ان کے

ہونے کا تجربہ تو آج بھی ان کو پڑھ کر جس طبقہ کے جس فرد کا جی چاہے کر سکتا ہے۔ چند ہی وعظ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے تعلق و اطاعت کی ایک نئی حیات و حرکت پڑھنے والا اپنے اندر محسوس کرنے لگے گا۔

اس لئے موقع و محل کے اعتبار سے اجمال و تفصیل اور جزئی تغیر و تبدل کے ساتھ ان مواعظ کا اعادہ و تکرار، نہ صرف انشاء اللہ تعالیٰ دین کے ہر شعبہ میں امت کی اصلاح کے لئے کافی و افی ہے بلکہ غیروں کو بھی سبیلِ رب کی طرف بلانے اور مائل کرنے میں نہایت کارگر اور نافع ہے منجملہ صدہا افادات علمیہ کے حضرت والاؒ کے اہتمام اصلاح امت کا ایک جامع مانع نظام آپ کے رسالہ اصلاح انقلاب امت میں مرقوم ہے اس میں حضرت والاؒ نے امت کے ہر طبقہ کی اصلاح کے لئے ایسا دستور العمل مرتب فرما دیا ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے۔ تو نہایت سہولت کے ساتھ ہر طبقہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

طالبانِ احکام کا دستور العمل

یہ ہے کہ ان میں جو زیادہ فارغ ہیں۔ جیسے اہلِ تنعم و اہلِ ثروت وہ اپنی اولاد کو علوم دینیہ کے لئے فارغ کر دیں۔ گو ضروریات دنیوی کے لئے لسان ملک و فنون رائجہ کی بھی تحصیل کا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ درجہ تبعیت سے متجاوز نہ ہونے پاوے۔ پس اولاد تو یوں درست ہوئی اور خود کوئی وقت مقرر کر کے کسی عالم یا کامل الاستعداد طالب علم کے پاس جا کر یا اس کو بلا کر اگر علوم عربیہ سے مناسبت ہو تو زیادہ بصیرت کا آلہ ہے ورنہ اردو ہی کے مفید اور ضروری مسائل کو کسی محقق کے مشورہ سے تجویز کر کے سبقاً سبقاً مطالعہ کرے بہتر یہ ہے کہ دو تین بار ورنہ اقل درجہ تحصیلاً ایک ایک ہی بار پھر مطالعتہً چند بار ان پر غور کر لیں۔ مگر یہ رسائل ایسے ہوں جن میں سب اجزاء دین کا کافی بیان ہو۔ عقائد و دیانت و معاملات و معاشرت و اخلاق باطنہ۔

اور جن کو معاش کی ضرورت سے زیادہ فراغ نہیں ہے۔ صرف حرف شناس ہیں یا با سانی ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے لئے بھی اور اپنی اولاد کے لئے بھی بجائے علوم عربیہ کے وہی رسائل دینیہ اردو کے بطور درس طالب علمانہ کے تجویز کر لیں پھر بطور دورہ کے انکا بار بار مطالعہ کیا کریں۔ اور جبتک درس کا انتظام نہ ہو سکے بطور خود ہی دو چار دن روزانہ بالالتزام مطالعہ کیا کریں اور مواقع خلجان میں خود رائی سے کام نہ لیں بلکہ نشان بنا کر چھوڑ دیں اور کسی ماہر سے ملاقات ہونے کے وقت اس کی تحقیق کر لیں اور جو لوگ ان میں حرف شناس نہیں ہیں اور نہ با سانی ہو سکتے ہیں اور نہ اپنے بچوں کو کسی وجہ سے اس کام کے لئے فارغ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسا انتظام کریں کہ ہفتہ میں، بہتر تو یہ ہے کہ روزانہ ایک ہی روز خاص مجلس علمی کے لئے بالالتزام مقرر کریں اور کوئی عالم یا صحبت یافتہ اہل علم کا ان رسائل کو اچھی طرح سمجھا ہوا ہو تجویز کریں اور اگر کسی عالم سے تجویز کرا لیں تو زیادہ بہتر ہے اور اس روز سب لوگ کسی خاص مقام مسجد وغیرہ میں جمع ہو کر اس خواندہ فہمیدہ شخص کو لا کر ایک معین وقت تک (مثلاً ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ) دین کے رسائل کو سنا کریں اور سمجھا کریں، اور اگر ایسا شخص مفت نہ ملے تو کچھ اس کی مالی خدمت کریں اور اس سنانے والے شخص کو جہاں شبہ رہے۔ پنسل وغیرہ سے نشان بنا کر اس وقت اس کو رہنے دیں پھر جب کوئی عالم میسر ہو اس سے حل کر لیں اور سب مجمع کو پہنچا دیں۔ اور جہاں دیہات وغیرہ میں ایسا شخص نہ ہو تو آپس میں مشروع طریقہ سے چندہ کر کے اس چندہ سے کوئی ایسا آدمی باہر سے بلا کر رکھ لیں اور یہ طریق جاری کریں۔

اور تمام طبقات مذکورہ میں علاوہ اس تحصیل یا مطالعہ یا سماع رسائل کے دو باتوں کا اور بھی التزام رکھیں۔ ایک یہ کہ اپنے اعمال و احوال میں جب کوئی امر جس کا حکم معلوم نہ ہو پیش آوے فوراً علماء حقانی سے اس کو دریافت کریں۔ اور اگر بوجہ بعد کے زبانی

نہ زبانی پوچھ سکیں تو بذریعہ خط کے تحقیق کریں ۔ دوسرے اس امر کا التزام رکھیں کہ علما کی مجلس میں جایا کریں خواہ خواص کی مجلس ہو جیسے جلسہ ملاقات و زیارت خواہ عام مجلس ہو جیسے جلسہ وعظ و نصیحت اور جو سنیں دل سے یاد رکھیں

اب عورتیں رہ گئیں سو یہ مجموعی انتظام مذکورہ ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں ۔ اس لئے سہل تر ان کے لئے یہ طریق ہے کہ اگر معلمہ عفیفہ دیندار مل جاوے تو کمسن یا کبیر کو اس کے ذریعہ سے قرآن مجید اور ایسے رسائل کی تعلیم دلاویں اور ان کے لئے بہشتی زیور کے دس حصے بالکل انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہیں بلکہ با نضمام گیارہویں حصہ مسمّٰی بہشتی گوہر کے مردوں کے لئے بھی کافی ہیں ۔ اور اگر کوئی معلمہ ایسی نہ ملے یا کسی لڑکی کو فراغ یا مناسبت نہ ہو تو ان کو بھی بڑی عورتوں کے انتظام میں شامل سمجھا جاوے ۔ اور وہ انتظام دو ہیں ۔ ایک یہ کہ گھر کے مردوں میں سے اگر کوئی خواندہ ہو تو وہ روزانہ کچھ وقت معین کر کے سب گھر والوں کو اس وقت جمع کر کے رسائل بالا سنایا کریں سمجھایا کریں بلکہ کئی دورے کرادیں دوسرا انتظام یہ ہے کہ گاہ گاہ کسی متورع متبع سنت عالم کا گھر میں وعظ کہلا دیا کریں ۔ کہ یہ عجیب مؤثر عمل ہے[1] ۔

غرضیکہ اصلاح عوام کے لئے مذکورہ بالا دستور العمل پر عمل کا اہتمام و التزام کرنا دین کے ہر شعبہ میں بقدر ضرورت واقفیت پیدا کرنے کے لئے نہایت مفید ہے ۔ اور اس دستور العمل کا خلاصہ پانچ باتوں پر عمل کا اہتمام کرنا ہے ۔

(۱) کتب دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سننا (۲) علماء دین سے مسئلہ پوچھنا

(۳) وعظ سننا (۴) صحبت اہل کمال

(۵) گھر والوں کو خود پڑھانا یا سُنانا یا کسی ذریعہ سے پڑھوانا سنوانا ۔

---

[1] از اصلاح انقلاب امت حضرت تھانوی ؒ

ایک انوکھا نظام اصلاح و تبلیغ

"صِیَانَۃُ المُسْلِمِین"

انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ، بعثت صرف اصلاح امت نہیں تھا بلکہ تکمیل امت تھا اس لئے کہ اس امت کا منصب حق تعالےٰ نے عالم کے لئے مصلح اور اہل عالم پر حجت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہ تم سب سے اچھی امت ہو جن کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے نیز فرمایا لِتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ تاکہ تم اہل عالم پر بطور گواہ پیش کئے جاؤ اور تمہاری گواہی پر حجت تمام ہو جائے ۔

اس لئے امت مسلمہ کی دعوت و تبلیغ کا منصب بھی تکمیل امت ہونا ضروری ہے اور تکمیل امت کے لئے تخلیہ و تحلیہ ہر دو عمل ضروری ہیں کہ تمام بداعمالیوں غلط عقائد اور گندگیوں سے امت کو روک کر پاک وصاف کیا جاسے اور تمام اعتقادات عبادات معاملات ، معاشرت اور طریقت کی خوبیوں اور احکام سے قوم کو مزین کیا جائے تاکہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کے مقتضا پر عمل پیرا ہو سکے مختلف طریقہائے اصلاح و تبلیغ کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نظام مجلس صیانۃ المسلمین درحقیقت تکمیل امت کا ایک جامع اور مؤثر نظام ہے جسے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے الہام ربانی کی روشنی میں ضبط فرمایا ہے اور الحمد للہ پاکستان کے گوشہ گوشہ میں تکمیل امت کے لئے اصلاح و تبلیغ کے اس نظام کو اپنایا جا رہا ہے ۔

کتب دینیہ کا نصاب برائے عوام

کتابوں کا مطالعہ کرنے میں بکثرت یہ غلطی کی جاتی ہے کہ جو کتاب دین

کے نام سے دیکھی یا سُنی اس کا مطالعہ شروع کر دیا جاتا ہے اور اس کی تحقیق نہیں کی جاتی کہ اُن کا مصنف کون ہے۔ وہ اہل حق میں سے ہے یا نہیں۔ اس لئے ذیل میں ایک مختصر نصاب قابل مطالعہ کُتب کا لکھا جاتا ہے تاکہ ان کے مطالعہ سے دین کے ہر شعبہ میں بقدر ضرورت دینی معلُومات حاصل ہو سکیں بہشتی زیور گیارہ حصّے۔ تعلیم الدین، فروع الایمان، جزؤ الایمان۔ تبلیغ دین۔ قصد السبیل۔ شوق وطن[1]

اصلاحی نصاب[2]

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان نے بہشتی زیور کے علاوہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی نو کتابوں پر مشتمل اصلاحی نصاب مرتب کیا ہے جس میں فضائل اعمال کے ساتھ مسائل و احکام بھی ہیں اوامر کے ساتھ منکرات سے نواہی بھی شدت کے ساتھ پائی جاتی ہیں جسمیں دین کے تمام شعبوں (اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرات اور طریقت) کی تفصیل و تشریح کے ساتھ ترغیب و تحریص کے مضامین بھی کافی ملتے ہیں۔ اور بفضلہ تعالیٰ ہند و پاک کے بڑے بڑے اکابر نے اس کو پسند فرما کر عوام و خواص کو اس کے پڑھنے کی طرف متوجہ کیا ہے یہ نصاب شائع ہو چکا ہے اور مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے دفتر واقع جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور سے قیمتاً مل سکتا ہے۔ یہ نصاب مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل ہے:۔

حیواۃ المسلمین۔ حقوق الاسلام۔ حقوق الوالدین۔ اداب المعاشرت، جزاء الاعمال، فروع الایمان، تعلیم الدین، قصد السبیل، اغلاط العوام۔

علم دین کے فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم، یعنی علم حاصل کرنا فرض ہے ہر ایک مسلمان پر۔

[1] اصلاح انقلاب امت [2] یہ نصاب شائع ہو گیا ہے۔

حدیث مذکور میں جو علم ہر مسلمان پر فرض فرمایا ہے۔ اس سے مُراد علم دین کا صرف وہ حصّہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ فرائض ادا کر سکتا ہے نہ حرام چیزوں سے بچ سکتا ہے جو ایمان و اسلام کے لئے ضروری ہے باقی علم کی تفصیلات قرآن و حدیث کے تمام معارف و مسائل پھر ان سے نکالے ہُوئے احکام و شرائع کی پُوری تفصیل یہ نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہر ایک پر فرض عین ہے۔ البتہ پُورے عالم اسلام کے ذمّہ فرض کفایہ ہے۔ ہر شہر میں ایک عالم ان تمام علوم و شرائع کا ماہر موجود ہو تو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم نہ ہو تو شہر والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا باہر سے کسی عالم کو بلا کر اپنے شہر میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لے کر سمجھ سکیں اور عمل کر سکیں۔ اس لئے علم دین میں فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل یہ ہے کہ:۔

فرض عین

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ اسلام کے عقائد صحیحہ کا علم حاصل کرے اور طہارت نجاست کے احکام سیکھے۔

نماز روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے فرض واجب قرار دی ہیں۔ ان کا علم حاصل کریں۔ جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال ہو۔ اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل و احکام معلوم کرے جس کو حج پر قدرت ہو اس کے لئے فرض عین ہے کہ حج کے احکام و مسائل معلوم کرے۔ جس کو بیع و شرا کرنا پڑے یا تجارت و صنعت یا مزدوری و اجرت کے کام کرنے پڑیں اس پر فرض عین ہے کہ بیع و اجارہ کے مسائل و احکام سیکھے۔ جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام و مسائل اور طلاق کے احکام و مسائل معلوم کرے۔ غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمّہ فرض و واجب کئے ہیں۔ ان کے احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا بھی

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ (از معارف القرآن) کتب دینیہ کا جو نصاب عوام کے لئے اوپر لکھا گیا ہے۔ اس کو یا صرف بہشتی زیور، گیارہ حصوں کو سمجھ کر پڑھ لینا یا سن لینا اور پیش آمدہ مسائل میں بھی علماء سے رجوع کرتے رہنا اس فرض کی ادائیگی کے لئے انشاء اللہ کافی ہوگا۔

فرض کفایہ

پورے قرآن مجید کے معانی و مسائل کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن و سنت سے جو احکام و مسائل نکلتے ہیں۔ ان سب کا علم حاصل کرنا اس میں صحابہ و تابعین اور آئمہ مجتہدین کے اقوال و آثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں۔ اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کریں تو باقی سبکدوش ہو جائیں گے (از معارف القرآن) سینکڑوں ہزاروں تبلیغی و دعوتی مواعظ کے علاوہ منارف تبلیغ، یا تبلیغ کی وقتی ضرورتوں سے بھی صرف نظر نہیں فرمایا گیا۔

انسداد فتنہ ارتداد

۱۳۴۱ھ میں شہر آگرہ کے اطراف سے جب فتنہ ارتداد کی خبر پہنچی تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فتنہ ارتداد کے زمانہ میں بنفس نفیس ایسے مقامات کا دورہ فرمایا۔ جہاں اس ارتداد کا اندیشہ قوی تھا جس میں ریواڑی، نارنول، اور موضع اسمٰعیل پور متصل الور ہیں۔ الاتمام لنعمۃ الاسلام وعظ ہوا جس کے تین حصے ہیں اور دوسرے سفر کا قصبہ نوح اور فیروز پور جھرکا وغیرہ کے لئے ارادہ فرمایا تھا۔ مگر اسی اثناء میں سفر سے عذر پیش آگیا جس کی وجہ سے سفر بالکل موقوف ہوگیا۔ اس کے علاوہ والد مرحوم حضرت مولانا سید عبدالکریم صاحب گمتھلی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کو اس علاقہ ارتداد میں تبلیغی خدمات پر مامور فرمایا اور کامل دو سال تک اس سلسلہ

تبلیغ کو نہایت اہتمام سے جاری رکھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ زبانی ارشادات سے اور خطوط میں بھی نہایت مفید ہدایات بسلسلہ تبلیغ اپنے خدام مذکورین فرماتے رہتے تھے نیز دعاؤں کے ساتھ حوصلہ افزا کلمات بھی ہوتے تھے، چنانچہ ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا۔

والا نامہ حکیم الامت تھانویؒ

السلام علیکم حالات سے بہت کچھ امیدیں ہوئیں اور مجھ کو اس سے پہلے بھی صرف آپ جیسے مخلصین کا جانا اور پھر مولوی محمد الیاس صاحب کا ساتھ ہوجانا یقین کامیابی دلاتا ہے علم غیب تو حق تعالیٰ کو ہے مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب وفود سے زیادہ نفع آپ صاحبوں سے ہوگا۔ بخدمت مولوی صاحب سلام مسنون۔ (اشرف السوانح جلد ۳ ص ۲۴۵)

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان ارشادات کا مقصد صرف یہ خیال میں آیا کرتا تھا کہ حوصلہ افزائی فرمائی جارہی ہے۔ لیکن جب ڈیڑھ سال کے بعد ایک جماعت نے تمام علاقہ تبلیغی یعنی ۲۹ ضلعوں کا مفصل حال لکھ کر شائع کیا اور اس روئداد میں اس کی تصریح بھی درج تھی کہ تحصیل پلول (جہاں احقر اور مولوی عبدالمجید صاحب (حسب حکم و ہدایت حضرت والا) کار تبلیغ انجام دیتے تھے) اول نمبر کامیاب رہی تب معلوم ہوا کہ یہ بشارات اور پیشین گوئی تھی۔ جو خدا کے فضل سے بالکل صحیح ہوئی (اشرف السوانح)

بعض تبلیغی رسائل

اس عملی اہتمام کے علاوہ اس زمانہ میں حضرت والدؒ نے مندرجہ ذیل رسالے بھی شائع فرمائے تھے۔

(۱) الانسداد لفتنۃ الارتداد (۲) حسن اسلام کی ایک جھلک

(۳) نماز کی عقلی خوبیاں۔ ان میں سے نمبر ۲ کو ہندی میں بھی چھپوا کر تقسیم کیا

گیا تھا۔ اور غالباً نمبر ۳ بھی ہندی میں چھپا تھا، اور زیادہ تر ان مذبذب لوگوں کو مسلمانوں سے گائے کا گوشت کھانے کے سبب وحشت تھی۔ اس واسطے ایک رسالہ میں ہندوؤں کی کتاب وید سے گائے کی قربانی کو ثابت کیا تھا۔ وہ بھی شائع کیا گیا، اور چند مکاتیب بھی قائم کئے گئے تھے۔ جنگی امداد میں حضرت اقدس نے بھی کافی حصہ لیا۔ اور دوسرے ذرائع سے بھی معارف کا انتظام ہوا۔ اور چند مواعظ میں بھی تبلیغ کے متعلق مضامین بیان فرمائے جن میں کے چند مواعظ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۱) الدعوت الی اللہ، (۲) محاسن الاسلام (۳) آداب التبلیغ غرضیکہ حضرت اقدس نے ہر پہلو سے اصلاح اور تبلیغ کا اہتمام فرمایا[۱]

ذیل میں اس تبلیغی وفد کا ایک خط درج کیا جاتا ہے جو الانسداد لفتنۃ الارتداد کے ص۲۶ پر اطلاع حال کے لئے حضرت حکیم الامت نے شائع فرمایا ہے، حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔ اس مضمون کے لکھنے کے بعد دو مخلص متدین عالم دوستوں کو کافی خرچ دے کر اس خدمت کے لئے روانہ کیا گیا۔ ان کے خط سے کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں جو ذیل میں درج ہیں"

نقل خط وفد مدرسہ وخانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون)

بملاحظہ... دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کمترینان بروز دوشنبہ ۱۲ شعبان ۱۳۴۱ھ کو مولوی محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے ہمراہ گوڑ گانواں کے راستہ سے فیروزپور پہنچے۔ اور چند مواضع میں بھی جانا ہوا۔ دیہات میں صوم وصلوٰۃ سے ناواقف ہیں ان کو نماز کی طرف توجہ دلائی۔ اور سلسلہ تعلیم کا قائم کرنے کو کہا گیا۔ بعض جگہ مسجد میں

[۱] اشرف السوانح

امام رکھنے کا اور اس سے بچوں کو نماز وغیرہ سکھلانے کا وعدہ کیا ہے۔ بقدر ضرورت وہاں کے لوگ امام کی خدمت کر سکتے ہیں دعا فرماویں کہ امام مقرر ہو جاویں۔ مولوی محمد الیاس صاحب کوشش کر رہے ہیں۔ دیہات میں عموماً شکل وصورت ہنود کی سی ہے۔ کان، ہاتھ وغیرہ میں زیور۔ دھوتی باندھنا، دیوالی وغیرہ، تہواروں میں ہنود کی شرکت کرنا، یا مشابہت کرنا۔ ان باتوں سے ان کو روکا گیا۔ نام بھی ہندوانہ ہیں جیسے ہری سنگھ وغیرہ بعض کے نام بدل دیے ہیں۔ امید ہے کہ مکتب قائم ہونے سے اصلاح ہو جاوے گی اور جن مواضع میں نماز وغیرہ کی پابندی ہے۔ ان کو دیگر امور کی تاکید کی جاتی ہے۔ سود لینے دینے سے کوئی خالی نہیں دس پندرہ آدمیوں نے سود سے توبہ کی۔ دو ایک آدمیوں نے شراب سے، بیس پچیس بچوں کا زیور نکالا گیا۔ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماویں اور ہمارے لئے بھی نافع کریں۔ ان دیہات میں غالباً بیس یوم تک رہنا ہوگا۔ بعد ازاں آگرہ جاویں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر حالات عرض کئے جاویں گے۔

والسلام احقر عبد الکریم گمتھلوی ومولوی عبد المجید بچھراونی از فیروزپور نمک ضلع گڑگانوہ

مولوی محمد الیاس صاحب السلام علیکم کہتے ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ بعض ان لوگوں کو جو بیشتر سے دیگر فرائض کے پابند ہیں مسئلہ توریث بنات (وراثت میں لڑکیوں کو حق دینا) بھی پہنچا دیا۔ دو ایک نے پختہ ارادہ کیا ہے۔ فرائض نکال دیئے ہیں۔

فقط، ۲۵ شعبان یوم جمعہ ۱۳۴۱ھ

مبلغین کی تنخواہوں کا تعین

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس خدمت تبلیغ کے لئے مذکورہ دونوں بزرگوں کو ضروریات کے لئے کافی خرچ دے کر روانہ کیا تھا۔ مگر ان حضرات نے اپنے تدین اور اخلاص کے تقاضہ سے خرچ کرنے میں بہت تنگی اختیار فرمائی۔ تو حضرت والا نے سہولت کے لئے تنخواہوں کا تعین فرما دیا۔ چنانچہ حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا۔ ابتداً

ارسال وفد سے آخر شوال تک مبلغین کی کچھ تنخواہ معین نہ تھی۔ بلکہ جتنا خرچ ہوتا تھا دیا جاتا تھا۔ مگر غایت احتیاط کے سبب وہ حضرات اپنے بعض ذاتی اخراجات میں بہت تنگی کرتے تھے۔ اس لئے ابتداء ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ سے عمل کی تنخواہ فی کس بیس۲۰ روپے ماہوار مقرر کردی ہے اور سفر میں طعام و سواری وغیرہ جو خرچ ہو وہ اس کے علاوہ ہے۔

مذکورہ خط سے مقامات تبلیغ کی دینی حالت کے انحطاط کا اندازہ ہونے کے ساتھ اس خانقاہی وفد کے طرز تبلیغ اور سلیقہ تعلیم کا انکشاف بھی ہوتا ہے، کہ ان کو اپنی تبلیغ میں مقامی ضروریات اور حالات کے تقاضوں کا لحاظ پیش نظر رہتا تھا، اور معاشرہ میں ہر قسم کی مروجہ رسومات اور عملی کوتاہیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی اور قیام بھی ضروریات کے مطابق کیا جاتا تھا، مساجد میں اماموں کے تقرر کرنے اور ان کے ذریعے مکاتب و مدارس کے اجراء کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ اور اس کو نماز وغیرہ کے سکھلانے اور اصلاح حال کے لئے بہت ضروری اور مفید سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جن مقامات پر اماموں کے رکھنے یا مکاتب کے اجرا کی طرف۔ مقامی لوگ خاطر خواہ توجہ نہیں کرتے تھے، یا نہیں کرسکتے تھے تو حضرت اقدس تھانویؒ اور مولانا محمد الیاس صاحب ایسے مقامات میں مالی امداد و تعاون کے ذریعہ بھی اس دینی ضرورت کو پورا فرمانے کی سعی فرماتے تھے۔

مکاتب و مدارس کا قیام اس خانقاہی وفد نے ایسے جن مدارس کی کسی قسم کی خدمت و اعانت کی ہے ان کی ایک فہرست مع تعداد طلباء حضرت اقدس تھانویؒ کی خدمت فیض درجت میں پیش کرکے ان کی ترقی اور اس سلسلہ مکاتب و مدارس کے قیام میں مزید ترقی کی دعا کی

درخواست پیش کی ہے۔ یہ فہرست ایک نقشہ کی صورت میں ہے جس میں نمبر شمار، مقام مدرسہ، تعداد طلبا، کیفیت کی تمام تر تفصیلات پر مشتمل ہے جو کہ ماہنامہ "النور" تھانہ بھون۔ ماہ شوال و ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں اہم مقامات کے مدارس و مکاتب کی تفصیلات مع تعداد طلبہ ہر مقام درج ہے۔ میزان کل طلبہ ۸۰۲ لکھی ہے۔

معلم نماز کا تقرر اس خانقاہی وفد کے خط میں مرقوم ہے کہ علاوہ ازیں ایک معلم نماز سکھانے کے لئے ایک ایک ماہ ایسے گاؤں میں قیام کرتے ہیں جہاں مکتب نہیں وہ تقریباً ایک سو پچاس آدمیوں کو نمازی بنا چکے ہیں جہاں مکتب قائم ہو یا امام مسجد مقرر ہو وہاں نماز سکھانے کا کام مکتب کے مدرس یا امام مسجد سے لیا جاسکتا ہے۔ ورنہ دیہاتوں میں بے نمازیوں کو نمازی بنانے اور نماز سکھانے کا یہ طریقہ نہایت مفید ہے۔ کہ ایک شخص کو نماز سکھانے کے لئے بستی بستی اور قریہ قریہ دورے کرکے مقامی طور پر نماز سکھانے کے لئے متعین کردیا جائے اور وہ ہر بستی میں مہینہ بھر یا اس سے کم و بیش مدت تک حسب ضرورت قیام کرکے نماز وغیرہ ضروریات کی تعلیم کا کام انجام دے۔ اس خانقاہی وفد کے خط میں جس مسئلہ توریث بنات (یعنی بیٹیوں کو حصہ دینے) کا ذکر آیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعت کے خلاف تھا۔ بہن و بیٹی وغیرہ کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ رواج عام کی وجہ سے اکثر دیندار لوگ بھی اس سے بے خبر اور غافل تھے۔ بے عملی کے ساتھ اس مسئلہ سے بے علمی بھی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے مسلمانان پنجاب کو اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے خصوصی طور پر سعی کے لئے اہتمام فرمایا۔ اور حضرت والا صاحبؒ کو اس اہم کام پر مامور فرمایا۔ حضرت والا صاحبؒ نے ایک رسالہ غصب المیراث لکھا اور

تین ہزار کی تعداد میں اس کو شائع کرا کر تقسیم کیا اور ایک فتویٰ چالیس پچاس جگہ کے مشاہیر علماء سے حاصل کر کے ظلم پنجاب کے متعلق غدائی وصیت کے عنوان سے دس ہزار کی تعداد میں شائع کرا کر پنجاب کے شہروں قصبوں بلکہ بہت سے دیہات میں بھی تقسیم کیا گیا۔ طباعت اور ڈاک میں بھیجنے کے تقریباً تمام اخراجات کا اہتمام حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا۔ اور فتویٰ و رسالہ کے ختم ہونے پر دوبارہ کثیر تعداد میں چھپوایا گیا۔ ذیل میں اس سلسلہ کے اہم خطوط بنام حضرت حکیم الامت تھانوی درج کئے جاتے ہیں جن سے اس کا اندازہ ہوگا کہ اس مسئلہ کی اشاعت کے لئے کیسی کیسی تگ و دو اور کس کس انداز کی سعی کی گئی ہے۔

خط بشرف ملاحظہ سیدی و مرشدی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ گذارش خدمت والا درجت آنکہ کمترین شروع ماہ حال میں امرتسر گیا جیسا کہ پیشتر عرض کر چکا ہوں وہاں تبلیغ الاسلام ضلع امرتسر نے وعدہ کیا ہے کہ توریث نساء کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا جاوے گا۔ بعد ازاں انجمن نعمانیہ کے جلسہ میں شریک ہوا اور انجمن راعیان ہند کے اراکین کو جو لاہور اور نواح لاہور میں کہا کہ اپنی برادری پر زور دیکر یہ قانون وراثت منسوخ کراویں اور اسی ماہ میں ان کے جلسہ کا انتظار تھا۔ لیکن وہ آئندہ ماہ یعنی جمادی الاولیٰ کے آخر میں ہوگا۔

احقر عبدالکریم از راجپورہ

خط جناب سیدی مرشدی حضرت مولانا صاحب مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گذارش والا درجت آنکہ خاکسار انجمن حمایت الاسلام۔ لاہور کے سالانہ جلسہ میں (جو کہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ ربیع الاول کو ہونے والا ہے) جانے کا ارادہ کر رہا ہے کیونکہ وہ عالیشان جلسہ ہوتا ہے۔ اور دور دراز کے باشندے خصوصاً امراء اور وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جن کی کوشش سے قانون

وراثت بدل سکتا ہے۔ اختر نے دس ہزار کی تعداد میں فتویٰ چھپوالیا ہے اور رسالہ غصب المیراث کل پرسوں تک تیار ہو جاتے گا آج کاپی لگ گئی ہے۔ تین ہزار چھپیگا

عبدالکریم از دہلی۔

خط مخدوم و مکرم مطاع معظم سیدنا مرشدنا حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

بعد از تسلیمات و تحیات معروض خدمت والا درجت آنکہ کمترین یہاں۔ نابھہ سے ایک عریضہ یکم شعبان کو روانہ کر چکے ہیں۔ بعد ازاں برنالہ بھٹنڈہ اور فیروز پور شہر و چھاؤنی و فاضلکا اور منچن آباد۔ و بہاولنگر و شہر لوہہ، و بہاولپور اور مظفر گڑھ اور ملتان شہر و چھاؤنی میں جانا ہوا۔ اور سب جگہ بحمد اللہ تعالیٰ خوب اشاعت مسئلہ میراث کی ہوتی رہی۔ کچھ اشخاص ایسے بھی ملے جن کو پیشتر سے اس طرف خیال تھا۔ ان کے خیال و ہمت میں اضافہ ہوگیا۔ اور کچھ نئے لوگ بھی اس طرف متوجہ ہوگئے اور کل بوقت جمعہ ایک شخص کو مسلمان کیا جو کہ ہندو تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اوکاڑہ اور قصور ہوتے ہوئے براہ سہارنپور اور مولوی عبدالمجید صاحب حصار اور ریواڑی ہوتے ہوئے حاضر خدمت اقدس ہوں گے۔ دعائے کامیابی فرمائیں۔ فدویان احقر

فدویان احقر عبدالکریم گمتھلوی، و مولوی عبدالمجید صاحب بچھرایونی۔

قانون وراثت کی طرف جمعیۃ علمائے ہند کی توجہ دلانا

جمعیت علماء ہند کو اس طرف توجہ دلانے کے لئے برابر تین جلسوں میں شرکت کے لئے حضرت والا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا۔ دو جلسوں میں تو مختلف وجوہ سے کامیابی نہ ہوسکی۔ مگر تیسری بار کی شرکت اور کوشش پر جلسہ ۱۳۴۳ھ میں بمقام مراد آباد ایک پر زور تجویز منظور ہوگئی (اشرف السوانح) غرضیکہ تھوڑے ہی عرصہ میں پنجاب اور سرحد اور کسی قدر سندھ کے علاقہ

میں بھی اس مسئلہ کی خوب اشاعت ہوگئی اور حضرت تھانویؒ کی توجہ اور دعا وسعی بلیغ کا بہت جلد اثر ہوا اور بہت لوگوں نے اس قانون کو بدلنے کی سعی شروع کردی اور قیام پاکستان تک یہ سلسلہ برابر قائم رہا۔ تاآنکہ ۱۹۴۹ء میں سب سے پہلے پنجاب اسمبلی نے اس قانون کو شرعی بنیادوں پر منظور کر کے پنجاب میں رائج کیا۔ تبلیغ احکام کے لئے حضرت حکیم الامت تھانوی نے جو دستور العمل تفہیم المسلمین کے نام سے شائع فرمایا ہے اس کو بھی اس جگہ مفید عام ہونے کی وجہ سے درج کیا جاتا ہے۔

تبلیغ احکام کے لئے دستور العمل

ا۔ جن کو کلمہ نہ معلوم ہو ان کو لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ سکھلایا جاوے، اور اس کے معنی سمجھائے جائیں۔

ب۔ جن کو کلمہ معلوم ہو اُن کو اس کے معنی سمجھاتے جائیں۔ اور کہا جائے کہ رات دن میں کم از کم سو مرتبہ لا الٰہ الّا اللہ اور اس کے ساتھ کبھی کبھی محمد رسول اللہ ضرور پڑھ لیا کریں، حدیث میں ہے کہ لا الٰہ الّا اللہ کہہ کر اپنا ایمان تازہ کرتے رہا کرو۔

ج۔ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں ان کو پابندی نماز کی اور مَردوں کو مسجد میں باجماعت نماز کی تاکید کی جائے جن کو نماز کا طریقہ نہ معلوم ہو ان کو سکھلایا جائے اور ممکن ہو تو پوری نماز کا ترجمہ بھی یاد کرا دیا جائے (یعنی سبحانک اللّٰھم سے لے کر التحیات اور درود شریف دعا تک) اور وضو، پاکی ناپاکی کے مسائل سے وقتاً فوقتاً آگاہ کیا جائے۔

د۔ جن پر زکوٰۃ فرض ہے ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی جائے۔ جن پہ قربانی واجب ہے ان کو قربانی کی ترغیب دیں

ہ۔ رمضان شریف کے روزے کی تاکید کی جائے۔

و۔ جن پر حج فرض ہے ان کو حج کی تاکید کی جائے۔

ز۔ ہر بستی میں تعلیم قرآن شریف کے مکاتب ضرور ہونا چاہئیں جن میں تعلیم قرآن کیساتھ اُردُو رسائل بہشتی زیور، بہشتی گوہر، راہ نجات وغیرہ بھی پڑھائی جائیں۔ تاکہ بچوں کو ضروری احکام کی اطلاع ہو۔

ح۔ سب مسلمانوں کو باہم اتفاق واتحاد سے رہنے اور گالی گلوچ لڑائی جھگڑا بند کرنے کی تاکید کی جائے۔

ط۔ بستی کے کسی بااثر دیندار کو یا چند بااثر دینداروں کی جماعت کو اپنا بڑا بنا لیا جائے جن کا کام یہ ہو کہ لوگوں میں اتحاد واتفاق۔ قائم رکھیں، اور امور مذکورہ بالا کو رواج دیں اور جب کسی معاملہ میں نزاع ہو اس کا شریعت کے موافق علما سے پوچھ کر فیصلہ کر دیں اور سب فیصلہ کی تائید کریں۔

ی۔ جھوٹ، غیبت۔ حسد وکینہ دشمنی کسی کی بیجا طرف داری، چغل خوری کرنا۔ بدنگاہی بے پردگی۔ شراب نوشی۔ لڑکوں سے ناجائز تعلقات۔ سودی لین دین۔ بیکاری۔ آوارہ گردی کا انسداد کریں۔ سچ بولنے باہم تواضع ومحبت کا برتاؤ کرنے، انصاف وعدل پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے اور جائز ذرائع معاش میں لگے رہنے کفایت شعاری اور آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرنے کی بہت تاکید کریں۔ تنگی برداشت کریں۔ مگر حتی المقدور زیادہ خرچ نہ کریں تقریبات اور روزمرہ کے خرچ میں کفایت کرنے والے پر طعن وتشنیع نہ کریں بلکہ اس کی ترغیب دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔ کسی جائز پیشہ کو کبھی عار نہ سمجھیں۔ بیکاری اور سوال کی ذلت خواہ قرض ہی کا سوال ہو اس کے مقابلہ میں گھاس کھودنے کو ترجیح دیں۔ اور نیک عمل اختیار کرنے کی خود

بھی کوشش کریں۔ اور دوسروں کو بھی تاکید کرتے رہیں۔

ک۔ حیوٰۃ المسلمین، تبلیغ دین، تعلیم دین، محاسن الاسلام، بہشتی زیور کو مطالعہ میں رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کے مضامین دوستوں، ملنے والوں اور سب بندگانِ خدا کو پہنچاتے رہیں۔

ل۔ جو علماء کسی دینی خدمت درس و تدریس تالیف و تصنیف وغیرہ میں مشغول ہیں۔ وہ بھی اپنے ملنے جلنے میں بندگان خدا کو احکام پہنچانے میں سستی نہ کریں اور فرصت کے اوقات جیسے جمعہ کی تعطیل۔ طویل رخصت کا زمانہ ہے اس میں وعظ و نصیحت کے ذریعہ بندگان خدا کو احکام پہنچانا۔ اپنا فریضہ جانیں۔

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس دستور العمل کی خصوصیت وافادیت ونافعیت کا تذکرہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "تبلیغ کے اس دستور العمل کی بڑی خصوصیت وہی ہے کہ کلمہ اور ارکان اسلام کی اقدمیت واہمیت کے باوجود حضرت جامع المجددین کے پیش نظر جامع وکامل دین کی جامع وکامل تجدید واصلاح ہے اور اس کی تفصیل میں ایمان وعمل معاش ومعاملت اخلاق ومعاشرت کی موٹی باتوں کا ایک سہل قابل عمل نظام العمل تجویز فرما دیا گیا ہے جس میں اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو کچھ ہو مضبوط ومؤثر بنیادوں پر ہو۔ اگر اس کو مسلمان اب بھی مضبوطی کیساتھ تھام لیں تو انشاء اللہ کسی سے مقابلہ ومقاتلہ کے بغیر ہندوستان وپاکستان بلکہ سارے اسلامی ممالک کی دس سال کے اندر کا یا پلٹ جانا۔ یقینی ہے[1]۔

حضرت مولانا مرحوم ندوی مزید فرماتے ہیں کہ نفس تبلیغ عام کی جس درجہ اہمیت حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی نظر میں تھی۔ اس کا اندازہ اس مختصر مضمون

---

[1] تجدید تعلیم و تبلیغ

سے کیا جا سکتا ہے۔ جس میں تفہیم المسلمین کے عنوان سے حضرت نے اس کی ضرورت و اہمیت کی طرف عموماً سارے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے اور اپنے کفش برداروں کو خصوصاً تاکید فرمائی ہے۔ البتہ جیساکہ معلوم ہو چکا ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے پیش نظر کامل دین کی کامل اصلاح وتجدید تھی اس لئے اس تبلیغ عام میں بھی خالی کلمہ طیبہ اور نماز۔ روزہ زکوٰۃ وحج ہی کی نہیں بلکہ دیگر احکام کی تبلیغ کو بھی شریک فرمایا گیا ہے[1] اس کے ساتھ ہی تبلیغ کے شرائط اور آداب پر بھی پوری طرح توجہ دلائی گئی ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ کے علاوہ ملفوظات میں بھی جا بجا ان شروط وآداب کی تعلیم دی گئی ہے۔ چند ملفوظات کے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ملفوظ ۵۶

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تبلیغ وہاں فرض ہے، جہاں تبلیغ نہ ہوئی ہو اور جہاں تبلیغ ہو چکی ہو۔ وہاں اس میں استحباب کا درجہ ہے جیسے ایک شخص کو معلوم نہیں کہ سنکھیا مضر اور سبب ہلاکت کا ہے اس کو تو بتلانا فرض ہے اور جس کو معلوم ہو اس کو بتلانا فرض نہیں۔ ویسے اگر اس کو کھاتے دیکھے اور بتلا دے تو تبرع اور احسان ہے[2]۔ ملفوظ ۶۹۳"

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے خیالات کی تبلیغ کرتے ہوں گے، اس میں تشدد کا لہجہ ہوگا۔ تبلیغ بھی ہر شخص کا کام نہیں لیکن اگر پھر بھی قصداً ایسا کرتے ہو تو پھر تیار ہو جاؤ جو کچھ بھی سر پہ پڑے اس کو برداشت کرو۔ اور اگر ہمت وقوت برداشت کی نہیں تو کہنا سننا چھوڑ دو۔ کیونکہ جس شخص کو احکام پہنچ چکے ہوں۔ اس کو تبلیغ کرنا کوئی فرض نہیں واجب نہیں محض ایک مستحب فعل کی وجہ سے اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے جس کی ضرورت نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ناصح اگر عالم نہ ہوگا اور نصیحت کرے گا تو اس میں بھی تکبر ہوگا کیونکہ وہ اس خیال سے نصیحت کریگا کہ میں اس سے اچھا ہوں تو اس کا اثر برا ہوگا

---

[1] تجدید تعلیم و تبلیغ [2] افاضات الیومیہ جلد ۵ ص ۳۰۸

مناسب طریق سے نصیحت کرنا یہ عالم ہی کا کام ہے۔ دوسرے فطری طور پر مخاطب کے قلب میں اس کی عظمت و محبت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی سختی بھی گوارہ کر لی جاتی ہے۔ غرض اہل علم کی عظمت ایک امر فطری ہے۔ عوام پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے عالم کی کسی قدر سختی کو بھی جھیل لیتے ہیں۔ مگر بے علم کو ایسا کرنا نہیں چاہئیے کہ وہ تبلیغ میں تشدد کرے" صہ ۹۲، ۹۳، ۲۹۴۔

ملفوظ ۱۴۳۔ فرمایا کہ آجکل غیر اہل فن بھی فن میں دخل دیتے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے ان کے بے محل دوسرے شخص کو نصیحت کرنے پر باز پرس کی تھی تو وہ مجھ سے کہنے لگے۔ کہ امر بالمعروف بھی تو عبادت ہے اور عبادت ہی کے واسطے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا عبادت کے کچھ شرائط اور حدود بھی ہوتے ہیں یا نہیں مثلاً نماز بھی تو عبادت ہے۔ اگر کوئی بے وضو پڑھنے لگے تو کیا صحیح ہو جاوے گی۔ اسی طرح امر بالمعروف کے بھی شرائط ہیں۔ انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ عین امر بالمعروف کے وقت ناصح اپنے کو مخاطب سے کمتر اور بدتر سمجھے، ایسا شخص امر بالمعروف کر سکتا ہے کیا تمہاری اس وقت یہ حالت تھی؟ کہنے لگے نہیں، میں نے کہا کہ جب شرط نہ پائی گئی تو پھر عبادت کہاں ہوئی[1]

تبلیغ خاص

مولانا عبدالباری صاحب ندوی مرحوم ارقام فرماتے ہیں۔
"اصولی طور پر دعوت و تبلیغ کی دو قسمیں قرار دی گئی ہے۔
(۱) عام (۲) خاص۔ عام سے مراد وہ ہے جس میں کسی خاص شخص یا اشخاص کو نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب کیا جائے۔ جو فرض کفایہ ہے۔ اور جس کا امر۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الخ اور فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ وغیرہ نصوص میں فرمایا گیا ہے۔ اور تبلیغ خاص سے مراد وہ دعوت یا

لہ افاضات الیومیہ جلد ۲ صہ ۸۳

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ جس کا خطاب کسی خاص شخص یا اشخاص خصوصاً اپنے توابع یا ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جن پر کسی طرح کے امر و حکم کی قوت و اثر حاصل ہے۔ یا جن سے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ کے تحت راعی و رعیت یعنی نگراں و زیر نگراں کا جیسے بیوی بچے، نوکر چاکر، شاگرد و مرید وغیرہ جو کسی طرح ہمارے تحت ہیں اور جن کی صلاح و فلاح کی ہم پر کچھ ذمہ داری ہو اور جن کے حق میں اگر ترغیب سے کام نہ چلے تو ترہیب سے بھی کام لے سکیں۔ جس کو ایک دوسری مشہور حدیث میں تغییر بالید سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یعنی جہاں کسی منکر یا برائی کے مٹانے میں ہم کو قوت و طاقت حاصل ہو۔ وہاں بالید یا قوت سے مٹانا ہمارے ذمہ ہے۔ تبلیغ خاص راعی و رعیت کے تعلق و مسئولیت و مواخذہ کے اعتبار سے فرض عین ہے۔ یعنی ہر ہر شخص پر فرض ہے[1]۔

آگے چل کر ارقام فرماتے ہیں۔" راقم ہذا کے نزدیک اگر مسلمانوں کو اس تبلیغ خاص یا اپنے اپنے توابع اور زیر دستوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف متوجہ کرنے کا ذرا منظم طریقہ سے انتظام ہو۔ تو یہ طریقہ قابو کا بھی زیادہ ہے اور پائیدار بھی۔ بس اس کی تنظیم ہو کر ہر گاؤں یا قصبہ و شہر کے ہر محلہ میں حضرت تھانویؒ کے مقرر فرمودہ نظام کے ذریعہ ہر ہر گھر کے راعی کی انفراداً یا اجتماعاً اصلاح پر زیادہ زور دیا جائے۔ جس کے بعد پورے گھر کی اصلاح خود راعی کی ترغیبی و ترہیبی تدبیر سے از خود و بسہولت ہو جائے گی[2]"

آگے مولانا ندوی اس تبلیغ خاص کی طرف بے توجہی کا شکوہ کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ "عوام کا تو کیا ذکر خواص اہل دین اور علما سے سوال ہے کہ وہ دعوت خاصہ کے فرض کو کہاں تک ادا فرماتے ہیں۔ احقر نے تو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے علاوہ مشکل سے ہی کہیں دیکھا ہو گا کہ یہ خواص بھی اپنے محکوم اور زیر نگراں لوگوں، اہل و عیال وغیرہ کو

لہ تجدید تبلیغ صہ ۱۵۶ لہ صہ ۱۵۷

نرمی یا سختی سے جس طرح بن پڑے اتباعِ احکام پر آمادہ یا مجبور کرتے ہوں"[1]

ظاہر ہے کہ جو کسی طرح کسی کے زیر اثر ہے وہ لازماً اس کے اثر کے موافق اس کی بات کو زیادہ ماننے اور قبول کرنے پر بھی مائل و مجبور ہوگا۔ اور قدرۃً اس کی زیادہ سہولت کے ساتھ زیادہ اصلاح کی توقع کی جا سکتی ہے۔ نیز خود اپنی ذات کے بعد جس کی صلاح و اصلاح سب سے زیادہ اپنے اختیار و قدرت میں ہوتی ہے۔ وُہ بھی اپنے زیر اقتدار توابع ہو سکتے ہیں اور تکلیف چونکہ امور اختیاریہ ہی کی بقدر اختیار وسعت ہے۔ لہٰذا اپنے ساتھ ساتھ بالذات و براہ راست اپنے توابع کی اصلاح کے بھی ہم مکلف و مسئول ٹھہرائے گئے ہیں۔ امر بالمعروف کا وجوب بھی بدرجہ اولیٰ اور خصوصاً بالید یعنی حسب اثر و اقتدار اور حسب موقع اور محل استعمال قوت کے ساتھ یہ بھی توابع یا خواص اپنے زیر نگرانی و رعیت ہی کے لئے ہے۔ دُوسرے کے لئے باللسان، یا زبان سے مامور ہے۔ وہ بھی بعض صورتوں میں صرف مستحب اور بعض میں سرے سے ممنوع، باقی ایمان کا آخری درجہ بالقلب ہے یعنی جہاں ہاتھ اور زبان سے کام نہ لیا جا سکتا ہو وہاں کم از کم دل سے برائی کو بُرا جانے اور تا حدامکان اس سے دُور و نفور رہنا ایمان کا کم سے کم یا آخری درجہ ہے۔

اب حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی تبلیغ و دعوت میں اصلاح و تجدید کا خلاصہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے قلم سے رقم فرمودہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ" مجددِ وقت کی تجدید فرمودہ کتاب و سنت کے اسلامی نظام ہدایت کے موافق ہر فرد مسلم کا پہلا اصلاحی فریضہ یہ ہے کہ خود اپنی اور اپنے توابع کی اختیاری و جوبی اصلاح کے کام کو لے بیٹھے۔ جب افراد کی اس آسان و اختیاری طریقہ سے اصلاح ہوگی تو ایسے صالح افراد کو جس جماعتی کام میں لگایا جائیگا

[1] تجدید تبلیغ ص ۲۱

وُہ بھی آپ سے آپ اصلاح و صحت کے ساتھ انجام پائے گا۔ اس آسان و اختیاری طریقہ کو چھوڑ کر مشکل و غیر اختیاری کے پیچھے پڑنا گاڑی کو گھوڑے کے آگے جوتنا ہے۔

اب جو افراد اتنے سعادتمند ہوں کہ ان سطور اوران کی ضروری تفصیل اوپر کتاب ہیں پڑھنے ہی سے چونک کر خود اپنی اور اپنے توابع کی اصلاح کے لئے کمر کس لیں۔ اور کم از کم اردو اچھی جانتے ہوں۔ ان کے لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ پہلے حضرت کے کچھ ملفوظات و مواعظ پڑھنا۔ اور گھر والوں کو پڑھانا یا سُنانا شروع کر دیں۔ انشاء اللہ اس سے سب کو اپنی اپنی اصلاح و آخرت کا خیال پیدا ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے حضرت تھانویؒ کی چیزوں کو کھلے دل و دماغ سے دو چار سو صفحات بھی پڑھ لئے راقم ہذا کا بلا استثنا تجربہ ہے کہ ان کو اپنی اصلاح کا کچھ نہ کچھ خیال ضرور پیدا ہو گیا۔ پھر اگر قصداً چھوڑ نہیں دیا تو راستہ پر پڑ گئے اس کے بعد روزمرّہ کی ضروریات کے بقدر احکام دین کے جاننے کے لئے حضرتؒ نے اردو ہی کی چند کتابوں کا ایک مختصر نصاب مقرر فرما دیا ہے[1]۔ جس پر پورا وقت دینے والا ایک چلّہ میں ورنہ پھر جو جتنا وقت دے سکے۔ اس کے اعتبار سے دو چار مہینوں میں پورا کر سکتا ہے لیکن ساتھ ہی ایسے عام لوگوں کو حضرتؒ کی خاص ہدایت یہ ہے کہ وہ اس نصاب کو کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ ورنہ پھر جہاں جہاں شبہات واقع ہوں۔ نشان لگا لیں اور کسی عالم سے ان کو حل کر لیں۔ دُوسرے کسی اچھے دیندار عالم سے وقتاً فوقتاً ملاقات یا کم از کم مکاتبت کا تعلق ضرور رکھیں۔ اور حسب ضرورت نامعلوم مسائل۔ واحکام کو وقت ضرورت ان سے مل کر یا لکھ کر معلوم کر کے عمل کرتے رہیں۔

[1] یہ نصاب "اصلاحی نصاب" کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

اس خلاصہ کے بعد حضرت حکیم الامت کی کتابوں کو اصلاح احوال میں جو مقام حاصل ہے۔ اس کے بارے میں مولانا ندوی مرحوم یوں رقمطراز ہیں۔

"چونکہ حضرت کی کتابوں خصوصاً مواعظ و ملفوظات سے لوگوں میں بالعموم اپنی بدحالی کا احساس اور اصلاح حال کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے ابتدائی طلب دین و اصلاح کا خیال پیدا کرنے کے لئے اس کتابی عہد میں حضرت کی کتابوں کو مختلف مؤثر و مقبول اسالیب و عنوانات سے۔ ہزار ہا ہزار کی تعداد میں شائع کرنا کہ لاکھوں ہاتھوں تک پہنچیں اور کروڑوں میں پڑھی پڑھائی اور سنی سنائی جائیں بجائے خود ان شاء اللہ ایک عام دینی بیداری اور عمومی انقلاب و اصلاح کا ذریعہ ہوگا۔"[1]

ایک نہایت ہی اہم اور قابل لحاظ ضروری اصلاح

مولانا ندوی مرحوم نے اس جگہ ایک بہت ہی اہم خرابی کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ فرمایا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا اصلاحی کام کرنے والوں کو اس کا لحاظ رکھنا نہایت۔ ضروری اور مفید ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

"کام کے بجائے نام کی اس فکر و طلب کی بدولت ہر چھوٹے بڑے، اصلاحی و اجتماعی کام میں ایک بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ وقت و قوت کو کیف سے زیادہ کم کے حصول یا عمق اور گہرائی سے زیادہ کام کے طول و عرض اور پھیلاؤ پر صرف کیا جاتا ہے اجتماعی اور معتدبہ خدمات میں یہ زہر دانستہ یا نادانستہ اتنا سرایت کر گیا ہے کہ بعض خالص دینی جماعتیں اور ان کے مخلص ترین کارکن تک اس کے تعدیہ سے محفوظ نہیں۔ ایک طرف تو ایک گھر ایک محلہ یا ایک بستی کا اصلاحی کام پورا نہیں ہوتا۔ اور دوسری

[1] تجدید تبلیغ ص۱۹۳

طرف سارے ملک کے طول و عرض میں دوڑا اور دوروں پر زور ہوتا ہے۔"[1]

تبلیغی دوروں کی نافعیت و افادیت

مولانا ندوی مرحوم کا مقصد ملک کے طول و عرض میں تبلیغی دوروں کی نافعیت اور ان کے مفید ہونے کی نفی کرنا ہے۔ بلکہ تبلیغی جدوجہد میں طول و عرض کی بجائے عمق اور گہرائی کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ترغیب دینی ہے ورنہ بصورت موجودہ بھی مولانا مرحوم کو ان دوروں کی فی الجملہ نافعیت اور افادیت مسلم ہے۔ جیسا کہ تحریر فرمایا ہے "اصل یہ ہے کہ طول و عرض کے ساتھ کام کے عمق و رسوخ یا گہرائی اور پختگی پر مزید توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ گشت کی صورت بھی ایک آندھی کی سی ہوتی ہے۔ کہ آئی اور نکل گئی جب تک مسلسل و مستقل انتظام و سعی سے خود گشت کے مقام پر مقامی جماعت ایسی تیار نہ ہو جائے جس میں اس کام کی لگن ہو اس وقت تک ایسے سرسری گشتوں سے کبھی پائیدار نفع نہیں ہوتا۔"[2]

مولانا مرحوم کی اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ کہ ان بیرونی دوروں سے بھی زیادہ مقامی طور پر اصلاحی کام کی اہمیت اور اقدمیت اور کام کے طول و عرض کیساتھ عمق اور پختگی پر زور دینا چاہتے ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ جب مقامی طور پر اصلاحی کام عمق اور گہرائی اور اس کے پورے آداب و شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے گا تو اس عمل سے علاوہ مقامی افراد کی اصلاح کے ایسے رجال کار اور بااصلاحیت افراد بھی مہیا اور تیار ہوں گے۔ جن سے اگر بیرونی دوروں میں کام لیا جائے تو دوروں کی نافعیت اور افادیت میں دوروں کی مروجہ صورت کی بہ نسبت بدرجہا اضافہ ہو جائیگا اور مقصد تبلیغ بہتر سے بہتر طریقہ پر حاصل ہو سکیگا۔ چنانچہ مولانا مرحوم کی عبارت ذیل میں اس کی افادیت کی صراحت موجود ہے۔ "نفس طول و عرض کی افادیت میں بھی

[1] تجدید تبلیغ ص۱۹۴ [2] ص۱۳۸

کلام نہیں۔ حق بات کا ایک بار بھی کان میں پڑ جانا بڑی بات ہے لیکن ثمرات تو گہرائی اور پختگی ہی سے پیدا ہوتے ہیں؎۱"

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے افادات اور تبلیغ کے طریق کار کی وضاحت

مولینا ندوی مرحوم کے اس اجمال کی تفصیل اور دوسرے مقامات پر تبلیغ کے طریق کار کی مزید وضاحت کے لئے اس جگہ حضرت مولینا سید احمد رضا صاحب بجنوری دام فضلہم کی شرح بخاری سے چند اقتباسات کو مفید سمجھکر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا موصوف، تبلیغ دین کی ضرورت اور اس کا کامیاب عملی پروگرام کے تحت فرماتے ہیں " اس کے لئے طریق کار وہی بہتر ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا تھا کہ سب سے پہلے اپنے کنبہ و قبیلہ میں، پھر محلہ میں، پھر اپنی بستی میں تبلیغ و اصلاح کا فرض انجام دیا جائے، پھر اپنی قریبی بستی تک جا کر یہ خدمت ادا کی جائے اور اس طرح اگر کچھ عرصہ میں ہم اپنے پورے ملک میں تبلیغ و اصلاح کا جال بچھا چکیں تو اس کے بعد دوسرے قریب اور پھر دور کے ممالک میں کام کریں، اپنے قریبی حلقوں کو چھوڑ کر اگر دور دراز کے خطوں میں کام کرنے کو ترجیح دی گئی تو اس میں مظاہرہ اور نمائش تو زیادہ ہے مگر بہتر کام اور کامیابی کی توقعات بہت کم ہیں؎۲"

نیز تبلیغی سفر اور موجودہ تبلیغی تحریک کے سلسلہ میں چند گذارشات کا عنوان قائم کر کے فرمایا ہے کہ " فریضہ حج و زیارت طیبہ کے بعد دینی نقطہ نظر سے جس سفر کی سب سے زیادہ اہمیت و ضرورت ہے وہ تبلیغی سفر ہے.....

..... لیکن اس سلسلہ میں ہماری چند گذارشات ہیں پھر (۲) میں حسب ذیل گذارش کی گئی ہے۔ تبلیغی مرکز سے صرف اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ چلہ دو۔

؎۱ تجدید و تبلیغ ص ۱۳۹ ؎۲ انوار الباری جلد ۱

حالانکہ ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس طویل مدت میں جتنے لوگوں نے چلے دئے ہیں وہ تربیت و اصلاح سے فارغ بھی ہو چکے ہیں۔ اور تبلیغ کا تجربہ بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ان پر زور دیا جائے کہ وہ مقامی طور پر کام کریں پہلے اپنے شہر اور قریہ کی مسجدوں کو معمور کریں، دینی تعلیم روزانہ یا ہفت وار گشت اور اجتماع پر زور دیں۔ اس طرح جو لوگ آئندہ چلہ دیں گے وہ زیادہ تعلیم یافتہ اور تبلیغ کے لئے اہل و مفید ہوں گے ... مرکز کی طرف سے پہلا زور ہر جگہ کی مقامی تعلیم و تبلیغ پر دیا جائے۔ پھر مقامی کام کرنے والوں میں سے با صلاحیت منتخب ہو کر باہر نکلا کریں۔ اس طرح یہ کام بہت جلد آگے بڑھ سکتا ہے۔ اور جو کامیابی اب تک تیس سال میں نہیں ہوئی۔ وہ آئندہ دس سال میں ہو سکتی ہے۔ جو طریق کار برسوں سے اب تک چلا گیا۔ کہ ہر جگہ کے لوگوں سے پہلا مطالبہ چلہ کا ہوتا ہے۔ اور ان کو بغیر دینی تعلیم اور تربیت ہی کے۔ بمبئی کلکتہ، مدارس وغیرہ بھیجدیا جاتا ہے۔ اور وہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب حاصل کر کے۔ اپنے وطن میں آکر فارغ و مطمئن بیٹھ جاتے ہیں۔ جیسے حج کے سفر سے فارغ ہو کر لوگ اپنے کو فارغ البال سمجھ لیتے ہیں۔ اس کے جزوی اور عارضی فائدہ کا انکار نہیں، لیکن جتنے زیادہ اور عظیم فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ حاصل نہیں ہو سکے۔ بہر حال ہماری رائے یہی ہے کہ ہر جگہ کے مقامی کام پر ہی پہلی توجہ مرکوز ہو، مرکز سے بھی سب سے پہلا مطالبہ یہی ہو۔ تبلیغی جماعتیں بھی ہر جگہ پہنچ کر اس امر کا جائزہ لیں کہ مقامی کام کتنا ہو رہا ہے اور دیندار لوگوں کو اس کے لئے ترغیب دیں، ذمہ دار بنائیں..... (۳) تبلیغی جماعتوں کے جو لوگ ہر جگہ پہنچ رہے ہیں وہ اکثر دین و علم سے ناواقف ہوتے ہیں اور وہ تبلیغ کے فضائل یا شرعی مسائل۔ غلط طور پر پیش کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف یہ کہ ٹھوس علمی و دینی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مضر اثرات بھی پڑتے ہیں۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ تبلیغ دین ایسے اہم و عظیم الشان کام کی ترقی وکامیابی کے لئے کچھ ضروری اصلاحات بھی پیش نظر ہوں، تاکہ موجودہ منفعت سے سہ گنی چہار گنی منفعت حاصل ہو، خدانخواستہ یہ مطلب نہیں ہے کہ اتنے بڑے کام کی ضرورت و اہمیت و افادیت سے انکار ہے[1]۔

غرضیکہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہر شخص کے ذمہ اپنی اصلاح کے ساتھ سب سے پہلے اپنے ان توابع اور اپنے زیر دستوں کی اصلاح کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ جن پر اس کو کسی نہ کسی طرح کی قدرت واختیار حاصل ہے۔ اور ان پر اس کو مامور و راعی بنایا گیا ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں وہ مسئول بھی ہے۔ اس کے بعد حسبِ فرصت وقدرت اپنے شہر اور قرب وجوار کے اصلاحی کام میں مشغول ہونا چاہیئے اور اس میں بھی ترتیب یہ ہونی چاہیئے کہ مقامی طور پر لوگوں کی دینی اصلاح اور تعلیم پر زیادہ زور دیا جائے اور ان کی روزمرہ کی دینی ضروریات کی تعلیم کو مقدم رکھا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ ہر روز یا ہفتہ وار حضرت حکیم الامت تھانوی کے اوپر کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اردو کی ان کتابوں کو سنائے، یا پڑھانے کا انتظام کیا جائے جن سے دین کے ضروری مسائل کی تعلیم کو مقدم رکھا جائے جن کا سیکھنا زیادہ ضروری ہے مقامی طور پر اس ترتیب سے اصلاحی کام کرنے کے بعد جن لوگوں کو دین کے مسائل سے

حاشیہ: (از حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دام فیوضہم مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور)

[1] یعنی اس طریقہ سے طلب دین تو پیدا ہوتی ہے جس کی بیحد ضرورت ہے اب اس کو آگے صحیح طریقہ سے کام پر لگانے کی ضرورت ہے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ حق کے نام سے باطل پھیلانے والوں کے شکار نہ بن جائیں جیسے کہ کچھ واقعات سننے میں آ رہے ہیں۔ اور اس کا بھی خطرہ ہے کہ یہ طلب سست پڑ کر معدوم نہ ہو جائے۔ اس لئے کام آگے اور قاعدہ سے بڑھانا لازمی ہے۔ ورنہ بجائے نفع کے خطرہ نہ سامنے آ جائے۔ اس کام میں سب سے یکسو ہو کر دینی ماحول میں رہ کر دین کو عملی طور سے سیکھنا ہے پھر قاعدہ میں دوسروں پر اثر اتنا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ آگے قدم بڑھاتا ہے۔ کہیں اٹک کر نہ رہ جائیں۔

واقفیت حاصل ہو جائے۔ ان میں سے سمجھ دار لوگوں کو قرب وجوار میں بھی دینی ضروریات کی تعلیم کے لئے بھیجا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ مفید ہوگا۔

عمومی اصلاح کا آسان طریق کار اس طریقہ سے اصلاحی کام کرنا آسان ہونے کے علاوہ عام بھی زیادہ ہے اس میں ہر شخص اپنی دنیوی ذمہ داریوں اور معاشی ضروریات میں مشغولی کے ساتھ بھی شرکت کر سکتا ہے اور اس کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکال سکتا ہے اس طرح ہر شخص کو بقدر ضرورت علم دین کے سیکھنے کا موقع میسر آ سکتا ہے اور کسی شخص کو بھی اپنی ذمہ داریوں میں مشغولیت ومصروفیت کا عذر دین کی ضروری معلومات حاصل کرنے اور ضروریات دین کے سیکھنے میں حائل نہیں ہو سکتا یہ طریق کار ایسا ہے کہ ہر شخص اپنی روزمرہ کی مصروفیتوں کے ساتھ اس کو نباہ سکتا ہے، اور اپنی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اس طریقہ پر عمل پیرا ہو سکتا ہے جس طرح اب ہر عامی اور ناواقف شخص سے باہر نکلنے اور چلہ دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس سے ہر شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا، کہ ہر شخص کو اپنی دنیوی ضروریات اور اپنی ذمہ داریوں سے فراغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں صرف وہی لوگ استفادہ کر سکتے ہیں۔ جن کو فراغ حاصل ہے۔ حالانکہ ضرورت ایسے لوگوں کو بھی دینی تعلیم دینے کی ہے جو عدیم الفرصت ہیں اور اپنے کاروبار سے ان کو فراغت حاصل نہیں ہے[1]۔

ایسے لوگوں کی ضروری دینی تعلیم کا انتظام اوّل تو ہر قریہ یا ہر بستی میں مقامی طور پر ہی ہونا چاہیئے۔ اور اگر مقامی طور پر ایسا نہ ہو سکے۔ تو مجبوری میں قریب ترین کسی قصبہ اور شہر میں جہاں ایسا انتظام موجود ہو یا ہو سکتا ہو کہ دین کی ضروری ضروری معلومات حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ اپنے ضروری کاموں

---

[1] ۱۰،۸-۴،۱ دن صرف چند گھنٹوں کے لئے ہی دعوت دی جائے پھر ترقی کرائی جائے (از حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ)۔

کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے کا فرض بھی ادا ہوتا رہے۔ اور اپنے روز مرّہ کے ضروری کاموں میں بھی زیادہ خلل واقع نہ ہو ایسے اشخاص کو دور دراز کے اسفار کیلئے تیار مشکل بھی ہوتا ہے کہ اس میں اپنے کاموں کو کچھ دنوں کے لئے ترک کرنا پڑتا ہے اور اخراجات کا بار بھی اُٹھانا پڑتا ہے جس پر ہر شخص آسانی کے ساتھ تیار نہیں ہوسکتا اور دینی ضروریات کے جائے قیام پر یا اس سے قریب ترین مقام پر پُوری کرنے کا انتظام موجود ہو تو ایسی صورت میں کسی شخص کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے مقامات بعیدہ میں جانے پر مجبور کرنا اور دور دراز کے طول طویل اسفار پر اصرار کرنا شرعی قاعدہ سے ضروری بھی نہیں رہتا کیونکہ یہ سفر یا تو خود دینی ضروری معلومات کے حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے یا یہ سفر دوسروں کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے[1]۔

بہر دو صورت اگر تعلیم یا تعلم کا یہ مقصد مقامی طور پر یا قرب وجوار کے کسی مقام پر حاصل ہو سکتا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دور دراز کے سفر اور اس کے اخراجات پر کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جانا چاہیئے۔ اور نہ ہی شرعاً یہ بات کسی پر لازم ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کسی خاص جگہ یا کسی صورت کو اختیار کیا جائے بلکہ جس جگہ اور جس صحیح صورت سے بھی یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہو اُس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

ماحول کا اثر

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ماحول کا اثر اچھا یا بُرا ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے دینی ماحول میں رہنے کا اثر بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور خانقاہوں یا مدارس دینیہ میں رہنے کا اثر وہاں کے ماحول کے مطابق کم و بیش وہاں کے رہنے والوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان تبلیغی دوروں اور دور دراز کے سفروں میں بھی ساتھیوں اور ماحول سے متاثر ہونا بھی لازمی ہے۔ اب اگر سفر کے ساتھی اور رفیق عمدہ اعمال و اشغال کے پابند ہیں اور ان کو دینی ضروریات سے واقفیت اور دین سے محبت

[1] ہاں ترغیب کا مضائقہ نہیں۔

اور تعلق ہے[1]۔ تب تو ایسے ماحول سے یقیناً دین سے تعلق اور واقفیت بڑھے گی، اور اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی طرف توجہ بھی ہوگی، اور اس طرح دوروں اور سفروں کا یہ فائدہ ان سفر کرنے والوں کے حق میں یقیناً فائدہ مند اور قابل اعتنا ہے۔ اور ہزاروں بندگانِ خدا کے اعمال و اخلاق کی اصلاح بھی اسی طریقہ پر عمل کرنے سے مشاہدہ میں آرہی ہے۔ مگر یہ ایک استحسانی طریقہ ہے اس کو لازم اور واجب قرار دینا حد سے تجاوز کرنا ہے، اور زیادہ سے زیادہ ایسے شخص کے لئے اس طریقہ کو واجب قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اپنی ضروری اصلاح اور دینی معلومات کے حاصل کرنے کا میسر نہ آرہا ہو اور صرف یہی طریقہ اس کے لئے رہ گیا ہو۔ بشرطیکہ ان دوروں میں دینی ضروریات کی تعلیم کا خاص اہتمام بھی کیا جاتا ہو اور فضائل اعمال کے ساتھ ساتھ مسائل ضروریہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے ورنہ تو یہ دورہ صرف تحصیل فضائل کے لئے ایک مستحب اور مستحسن عمل ہوگا۔ لازم و واجب نہ ہوگا۔

تبلیغی دوروں کی شرعی حیثیت

اس تفصیل مذکور سے ان مروجہ تبلیغی دوروں کی شرعی حیثیت بھی آسانی سے متعین ہو جاتی ہے کہ جس شخص کے لئے اپنی اصلاح اور دینی ضروری معلومات کے حاصل کرنے کا دوسرا کوئی طریقہ میسر نہ آرہا ہو۔ اس کے لئے دینی ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے ایسے دوروں میں شریک ہوکر ضروری معلومات کا حاصل کرنا ضروری ہے اور جس شخص کو کسی دوسرے ذریعہ مساجد کے اماموں عالموں کی صحبت، اور مدارس دینیہ یا خانقاہی طرز کی تعلیم و تربیت وغیرہ سے اپنی اصلاح اور ضروریات کی تحصیل کے مواقع حاصل ہو رہے ہوں۔ اس کے لئے بعض حالات میں یہ دوروں کا سفر ایک عمل مستحسن اور مستحب تو ہوگا مگر شرعاً اس کو ضروری اور واجب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

[1] اور دینی کتب کا درس ملتا ہے (از مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی)

باطنی تربیت حاصل کرنے والوں کیلئے دوروں میں شرکت کا حکم

بلکہ باطنی تربیت حاصل کرنے اور راہِ سلوک پر گامزن ہونے والوں کے لئے چونکہ یکسوئی اور دلجمعی کی خصوصاً ابتداء سلوک میں نہایت ضرورت ہوتی ہے۔ اور قلت اختلاط ان پر لازم ہوتا ہے اور اختلاط کی کثرت عام طور پر ان کے لئے مضر ہوتی ہے۔ اس لئے اکثر سالکین کے لئے یہ دَورے اور مسلسل سفر بجائے فائدہ کے باطنی طور پر مضرت کا سبب بن سکتے ہیں۔ کیونکہ اکثر سفر میں انضباط اوقات نہیں رہتا۔ اور جب مختلف طبائع اور سفر کے مختلف حالات سے واسطہ پڑتا ہے تو خام طبیعتوں کے لئے معمولات کے ادا کرنے میں۔ ضرور کوتاہی ہونے لگتی ہے۔ اور سفر اور اس ماحول کی وجہ سے طبیعت میں انتشار پیدا ہوکر یکسوئی اور دلجمعی فوت ہوجاتی ہے مگر یہ بات مرشد و شیخ کے دیکھنے اور بتلانے کی ہے یا پھر خود صاحب معاملہ کا اپنا تجربہ اس کی راہنمائی کرسکتا ہے۔ عوام کے اختلاط اور مختلف طبائع کے ساتھ ربط و ضبط کی وجہ سے قلوبِ صافیہ پر جو اثرات ہوتے ہیں اس کا اندازہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کے اس ملفوظ گرامی سے کیا جاسکتا ہے۔ فرمایا:۔

"مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہلِ خیر اور اہلِ ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہوجاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعے اس کو غسل نہ دوں یا چند روز سہارنپور، یا رائپور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جاکر نہ رہوں، قلب اپنی اصلی حالت پر نہیں آتا"۔

دُوسروں سے بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے:۔

"دین کے کام کیلئے پھرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت

کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعہ دھویا کریں"۔[۱]

جب حضرت مولانا قدس سرہٗ جیسے راسخ العمل اور شیخ کامل کے لئے عمومی اختلاط کے اثرات سے محفوظ رہنا مشکل تھا اور موصُوف کو بھی ان اثرات کے ازالہ کے لئے اعتکاف یا خاص مجمع اور خاص ماحول کے ذریعہ قلب کو غسل دینا ضروری ہوتا تھا تو پھر مبتدی یا متوسط لوگوں پر اس اختلاط کے جو اثرات ہوتے ہوں گے، اور ان کے قلوب کی حالت میں جس قدر تغیر ہوتا ہوگا وہ بھی قابل لحاظ ہے۔ ان کو کیسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کا دین کے سیکھنے سکھانے کے سُنت طریقہ کو خاص اسی طرز کے مروّجہ دوروں میں منحصر سمجھ لینا یا تحصیل ضروریات دین کے واسطے ہر شخص کے لئے اس خاص طریقہ پر عمل کرنے کو ضروری قرار دے لینا درست نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اس الزام کے جواب میں کہ تبلیغی کام کرنے والے دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں، حقیقتِ حال کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو دین سے بالکل بے تعلق تھا۔ غفلت اور فراموشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کام میں لگنے کے بعد بس اسی کام کو اصل دینی کام اور دینی خدمت سمجھتا ہے اور جب وُہ دیکھتا ہے کہ بہت سے علما اور اہل مدارس جن پر دین کی خدمت کا سب سے زیادہ حق ہے یہ کام نہیں کر رہے ہیں تو اپنی کم علمی اور دینی تربیت نہ پانے کی وجہ سے ان پر اعتراض اور تنقید کرنے لگتا ہے"۔[۲]

عام طور پر مولانا نعمانی کا بیان کردہ یہ عذر بھی بالکل صحیح ہے کہ اس مروجہ طریقہ

---

۱ تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۲۷،

۲ " " " " " ص ۲۱۸

میں دینی خدمات کو منحصر سمجھ لینے کا سبب کم علمی ہی ہوتا ہے۔ مگر بسا اوقات اہل تبلیغ کے عمائدین اور قائدین کے تقریری اور تحریری عنوانات بھی مخاطب کے لئے ایسی ہی غلط فہمی کا موجب بن جاتے ہیں۔ اور مخاطب یہ تاثر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے، کہ دین کی خدمت اسی طریقہ میں منحصر ہے یا کم سے کم سنت کے موافق دین کی خدمت کا یہی واحد طریقہ ہے

تعلیم و تعلم کے سنت طریقے

حالانکہ تبلیغی دوروں کے علاوہ تعلیم و تعلم کے مروجہ طریقوں کا بھی سنت میں پایا جانا اہل علم سے مخفی نہیں ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سراپا معلم ہے اور آیت قرآنی یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انما بعثت معلماً میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعلیمی منصب کو بعثت کا مقصد قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں جس طرح چل پھر کر قبائل عرب میں تبلیغی فریضہ انجام دیا ہے۔ اسی طرح مکہ معظمہ میں دار ارقم وغیرہ میں اور مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ قائم فرما کر تعلیم مدارس کے لئے سنت میں مثال قائم فرما دی ہے اور یہ مدارس دینیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی منصب کی نیابت کا حق بقدر قدرت و استطاعت ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ پھر اس تعلیمی و تدریسی طریقہ کو سنت کیوں نہیں کہا جائیگا اور سنت طریقہ کو صرف چل پھر کر تعلیم و تعلم ہی میں منحصر سمجھنا کیسے صحیح ہوگا۔ بہر حال عمومی تعلیم و تعلم کا یہ مروجہ طریقہ مستحسن اور مثمر ثمرات ہونے کے باوجود نہ تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور نہ ہر شخص کی قدرت و اختیار میں ہے کہ اس پر ہر شخص عمل کر سکے اور نہ ہی تعلیم و تعلم کا سنت اور نبوی طریقہ اس میں منحصر ہے بلکہ اکثر حالات کے اعتبار سے یہ طریقہ بھی منجملہ دوسرے مستحسن اور مفید طریقوں کے ایک طریقہ دین کی عمومی تعلیم و تعلم

کا ہے۔ اسی لیے بانی تحریک، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بقول مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی اپنی اس تحریک اور جدوجہد کو دین کے مدارس اور دوسرے اداروں کے لئے زمین ہموار کرنے اور سیراب کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے نزدیک دین کے تمام شعبے اور مسلمانوں کی دینی زندگی کے دوسرے مظاہر و مناظر یہ سب باغات کا حکم رکھتے ہیں۔ جو اس زمین پر لگائے جا سکتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا ہے۔

> "دین کے ادارے اور دین کے جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب (دینی امور) کے لئے تبلیغ (صحیح اصول کے ساتھ ملک بہ ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا) بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے۔ اور دیگر جتنے بھی امور ہیں۔ وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں[1]۔"

دین کے جن شعبوں کو حضرت مولانا مرحوم بمنزلہ دین کے باغات کے قرار دیتے ہیں، اور اپنی تمام تر تبلیغی جدوجہد اور ملک بہ ملک نقل و حرکت کو ان باغات کے لئے بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے تصوّر فرماتے ہیں تو پھر ان باغات سے کسی صورت میں بھی کیسے صرف نظر کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ زمین کو ہموار کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس پر باغات کو لگایا جائے تو اب اصل مقصد سے صرف نظر کر کے زمین کو ہموار کرنے ہی میں۔ تمام توانائیاں اور سارا وقت صرف کر دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ طبعی طور پر عملی ترتیب تو یہی ہونی چاہیئے کہ [illegible] جس قدر

[1] دینی دعوت ص ۲۹۲

زمین ہموار ہوتی چلی جائے ۔ وہاں وہاں اسی قدر دین کے ان باغات کو لگاتے چلے جانا چاہیئے ۔ کیونکہ جس طرح زمین کو ہموار اور درست کئے بغیر باغات پرورش نہیں پاسکتے اور نہ وہ بارآور اور مثمر ہو سکتے ہیں ۔ اسی طرح زمین کو ہموار کر کے یوں ہی چھوڑ دینا اور اس زمین پر باغات کو پرورش نہ کرنا بھی زمین کی صلاحیتوں کو ختم اور اس کو برباد کر دینے کے مترادف ہے اور زمین کو ہموار کرتے ہی چلے جانا اور اس پر تخم ریزی نہ کرنا وسیلہ اور ذریعہ کو مقصد اور راستہ کو منزل قرار دے لینا ہے[1] ۔

حقوق العباد کا لحاظ

ان دوروں اور سفروں کو اختیار کرنے والوں کو اس بات کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ ان اسفار کی وجہ سے کسی قسم کی حق تلفی نہ ہو ۔ اور اہل وعیال اور جن جن کے حقوق اور ذمہ داریوں کا بوجھ شرعاً اس کے کاندھوں پر ڈالا گیا ہے ان میں کوتاہی نہ کی جائے ۔ بلکہ تمام حقوق کی ادائیگی کا انتظام کر کے ایسے اسفار اختیار کئے جائیں ۔ کسی حق واجب کو فوت کر کے ایک امر مستحب کو ادا کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے ۔ اور نہ ہی فرض عین کو ترک کر کے فرض کفایہ کی طرف توجہ کرنا درست ہے اور اگر کسی شخص کے لئے اس قسم کا سفر دینی ضرورت اور دینی مصالح کی وجہ سے واجب و لازم ہو تو بھی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور حقوق واجبہ مثل نان ونفقہ کا انتظام کرنا ضروری ہے ۔ ایسے شخص کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہو گا جس سے بقدر ضرورت دینی اصلاح کے ساتھ حقوق واجبہ کی ادائیگی بھی ہوتی رہے ۔

---

[1] بلکہ زمین ہموار کر کے چھوڑنے سے زمانے کی ہواؤں سے خار خسک کی بیج پڑ کر جھاڑ جھنکار اور خطرناک بن پیدا ہونے کا، یا کسی باطل کے بیج بونے کا شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے ۔ (از مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ)

توکل کے شرعی معنی

اللہ پر توکل اور بھروسہ کے یہ معنی نہیں کہ کسب معاش اور دفع بلا کے جو اسباب و آلات ذات حق نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کو معطل کر کے اللہ پر بھروسہ کرو ۔ بلکہ حقیقت توکل کی یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے اللہ کی دی ہوئی قوت و توانائی اور جو اسباب میسر ہیں ان سب کو پورا استعمال کرو مگر اسباب مادیہ میں غلو اور انہماک زیادہ نہ کرو ۔ اعمال اختیاریہ کو کر لینے کے بعد نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ[1] (معارف القرآن ج ۸ ص ۵۹۵) دینی کاموں میں مصروف و منہمک لوگوں میں اس کوتاہی کا مشاہدہ اکثر ہو رہا ہے کہ ان کو حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں رہتی اور بعض اوقات ان کے ذمہ لوگوں کے حقوق واجبہ رہ جاتے ہیں حالانکہ دین کی طلب اور دینی کاموں میں انہماک کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ۔ مگر بعض لوگ اپنی کم علمی سے حقوق العباد میں کوتاہی اور کم علمی سے کام لیتے ہیں اور پھر اس کوتاہی کو کوتاہی بھی نہیں سمجھتے اس لئے تدارک کی نوبت نہیں آتی ۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم کا تاکیدی ارشاد

تبلیغی سفر کرنیوالوں کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم ہمیشہ فرماتے رہتے ہیں بلکہ تبلیغی سفروں سے

---

[1] اسکی دلیل حضورؐ کا ایک اعرابی کے اونٹ چھوڑنے پر فرمانا اعقل و توکل، کہیں لیکن یہ توکل تو سب پر فرض ہے اور ایک درجہ مستحب کا ہے جس کی بڑی سخت شرطیں ہیں ۔ وہ ترک اسباب کا توکل نہ سب کے لئے ہے نہ بغیر شرطیں مکمل ہونے درست ہے جیسے حضرت تھانوی کو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ کانپور کی ملازمت چھوٹ جائے تو ملازمت نہ کرنا اس کی تشخیص شیخ کامل ہی کر سکتا ہے کہ اب پریشانی اور شکایت کا وہم بھی رہیگا

حقوق العباد کا اہم اور مقدم ہونا بیان فرماتے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا۔

"مجھے دو چیزوں میں خاص تصلب ہے۔ ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق العباد ہوں وُہ مقدم ہیں۔ دُوسرے یہ کہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف سے ممانعت ہو۔ وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں[1]"

اطاعتِ والدین

نان ونفقہ اور قرض کی ادائیگی وغیرہ مالی حقوق واجبہ کی ادائیگی کے ساتھ والدین کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی خدمت بھی فرض ہے۔ اس کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے۔ اور چونکہ یہ اطاعتِ والدین فرض عین ہے۔ اسی لئے جب تک جہاد فرض عین نہ ہو۔ فرض کفایہ کے درجہ میں ہو۔ اُس وقت تک والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں بھی شرکت جائز نہیں ہے یہی حکم تبلیغی اور تعلیمی سفروں اور دوروں کا بھی ہے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے ارشادات

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص کے جہاد میں شرکت کی اجازت حاصل کرنے پر یہ معلوم فرما کر کہ اُس کے والدین زندہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم فرمایا تھا۔ ففیھما فجاھد یعنی بس تو اب تم ماں باپ کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو ارشاد فرماتے ہیں:

"مسئلہ اس روایت سے معلوم ہُوا کہ جب کوئی چیز فرض عین یا واجب العین نہ ہو، کفایہ کے درجہ میں ہو تو اولاد کے لئے وہ کام بغیر ماں باپ کی اجازت کے جائز نہیں۔ اسی میں مکمل علم دین حاصل کرنا اور تبلیغ دین کے لئے سفر کرنے کا حکم بھی شامل ہے کہ بقدر فرض علم دین جس کو حاصل ہو۔ وہ علم

[1] تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۱۳۰

پڑھنے کے لئے سفر کرے یا لوگوں میں تبلیغ و دعوت کے لئے سفر کرنے تو بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں[1]"

ازالہ شُبہ

احادیث کے اندر ایثار پیشہ حضرات کے ایسے واقعات اور ایثار کے تذکرے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جن سے ایثار یعنی دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش و حاجت پر ترجیح دینے اور مقدم رکھنے کا سبق حاصل ہوتا ہے اور وہ واقعات زندگی میں انقلاب پیدا کرنے والے ہیں اور صحابہ کرام کے بعض واقعات میں یہ جذبہ ایثار اس قدر افراط کے ساتھ درجہ عروج پر پہنچا ہوا نظر آتا ہے کہ ان حضرات نے اپنی عام حاجات و ضروریات کو نظر انداز کر کے اپنا کل مال ہی اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا ہے۔ اور اپنے حقوق نفس کے ساتھ دُوسرے اہل حقوق کے حقوق کا بھی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ ایسے واقعات سے بظاہر حقوق کی اہمیت کم ہوتی نظر آتی ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور ہر حالت کا حکم الگ الگ ہے جن لوگوں کے عزم و ہمت و ثباتِ و استقلال کا یہ حال ہو کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد فقر و فاقہ پر انہیں کوئی پریشانی نہ ہو بلکہ ہمت کے ساتھ اس پر صبر کر سکتے ہوں ان کے لئے سارا مال اللہ کے لئے خرچ کر ڈالنا جائز ہے۔ ایسے حضرات نے اپنے اہل کو بھی اس صبر و استقلال کا خوگر بنا رکھا تھا۔ اس لئے اس میں ان کی بھی کوئی حق تلفی نہ تھی۔ اگر مال خود اہل و عیال کے قبضہ میں ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے[2] اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ایک جہاد کے چندہ میں اپنا سارا مال پیش کیا تو اس کو قبول فرما لیا گیا۔ ایک دوسرے شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بیضہ کے برابر سونے کا ٹکڑا بغرض صدقہ پیش کیا تو

[1] معارف القرآن جلد ۵ ص ۲۵۳؟ [2] معارف القرآن جلد ۸ ص ۳۷۵

آپ نے اس کو اسی کی طرف پھینک کر ارشاد فرمایا۔ کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کے لئے لے آتے ہیں۔ پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں [1] معلوم ہوا پورا مال صدقہ کرنیکی اجازت۔ ان لوگوں کے لئے ہے جو فقر و فاقہ پر صبر کرنیکے عادی اور خوگر ہوں۔ اور بعد میں لوگوں سے بھیک مانگتے نہ پھریں۔ ورنہ ایسا کرنیکی ممانعت ہے اور سابقہ تجربات کے پیش نظر اپنے اہل وعیال کی ضروریات اور عادات کا اندازہ بھی ہر شخص کو اچھی طرح ہوتا ہے کہ نان ونفقہ کی تنگی کو خوشی کے ساتھ برداشت کرلیں گے۔ اور فقر و فاقہ سے پریشان ہو کر کسی سے شکوہ و شکایت یا اس سے بھی بڑھ کر دست سوال دراز نہیں کریں گے۔ اسی طرح حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمانوں کے قصہ میں جو بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دینے اور مہمانوں کو کھانا کھلا دینے کا ذکر آتا ہے۔ اس کے بارہ میں لمعات شرح مشکوٰۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے "کہ علماء نے اس کو اس پر محمول کیا ہے۔ کہ بچے بھوکے نہیں تھے۔ بلکہ بلا بھوک کے مانگ رہے تھے۔ جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے۔ ورنہ اگر وہ بھوکے ہوتے۔ تو ان کو کھلانا واجب تھا اور وہ واجب کو کیسے ترک کر سکتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابو طلحہ اور ان کی بیوی کی تعریف کی ہے" حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ (اس واقعہ میں) اس تاویل کی ضرورت اس سے بھی ثابت ہوئی۔ کہ والد سے چھوٹے بچے کا حق مقدم ہے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے کہ اگر کسی کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں۔ تو خرچہ کے اعتبار سے بیٹا باپ سے زیادہ مستحق ہے [2]"

ایسی ہی تاویل واقعہ غار میں کی گئی ہے۔ جس میں ایک شخص کا اپنے والدین کو دودھ پلانے کے لئے رات بھر ان کے جاگنے کا انتظار کرنا، اور بچوں کا دودھ

---

[1] معارف القرآن ج ۸ ص ۲۴۸ [2] تعدیل حقوق الوالدین۔

مانگتے رہنے کا تذکرہ آیا ہے۔ کہ بچوں کا یہ مانگنا عادۃً تھا۔ ان بچوں کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ورنہ تو ان کا حق ادا کرنا واجب ہوتا۔ [1]

مجموعہ واقعات سے یہ بات واضح ہے کہ حالات مختلف ہیں اور ہر حالت کا حکم اس کے مناسب ہے۔ مگر اتنی بات سب میں ملحوظ ہے کہ تحمل اور برداشت کے وقت اپنے حق کا چھوڑ دینا اور دوسروں کے لئے جذبہ ایثار اور قربانی سے کام لے کر تنگی اور فقر و فاقہ اختیار کر لینا۔ اگرچہ جائز ہے۔ لیکن اہل حقوق کے حقوق کی رعایت خصوصاً نابالغ اہل حقوق کے حق پر نفقہ وغیرہ کا لحاظ نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ نابالغ کے معاف کرنے سے بھی ان کا حق معاف نہیں ہوتا اس لئے جن واقعات کے ظاہر سے حق تلفی کا شبہ ہوتا ہے۔ علماء محققین نے ان واقعات میں تاویل کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی ہے۔ ان واقعات کے ظاہر کی وجہ سے حقوق کی اہمیت تو کم نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسے واقعات بیان کرتے ہوئے۔ اس بات کا لحاظ کرنا لازمی ہے کہ سامعین کے ذہنوں میں حقوق واجبہ کی ادائیگی کی اہمیت کم نہ ہونے پائے۔ دوسری بات یہ بھی خوب ذہن نشین کر لینے کی ہے۔ کہ فضائل وغیرہ میں ایسے واقعات کو پڑھ سنکر ان سے خود ہی مسائل کا انبساط کر لینا اور اس پر عمل شروع کر دینا درست نہیں ہے بلکہ عمل کے لئے علماء فتاویٰ کی طرف رجوع کرنا اور اپنی حالت کے مطابق استفتاء کرنا ضروری ہے

محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوریؒ کا ارشاد گرامی [2]

ایک صاحب نے مسلسل تبلیغ میں چلوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ

"موجودہ زمانہ میں یہ بہت بڑا فریضہ ہے مگر اس کے ساتھ پسماندگان کے

---

[1] تعدیل حقوق الوالدین [2] خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ۔

حقوق کا بھی خیال فرمانا ضروری ہے[1]"

یہ احقر اپنی اس ناچیز خدمت دین کو حضرت مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے اعتدالی مسلک کے تذکرہ پر ختم کرتا ہے۔ تاکہ ناظرین افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اس مسلک اعتدال کو اختیار فرمائیں۔ دینی کاموں میں مصروف حضرات کو اس نصیحت آمیز مسلک اعتدال کا پیش نظر رکھنا بہت ضروری اور مفید ہوگا۔ حضرت مولانا موصوف کی سوانح میں لکھا ہے "کہ جہاں تبلیغی کام ضروری سمجھتے وہاں علوم دینیہ کی اشاعت مدارس کا قیام درس و تدریس کا رواج تصنیف و تالیف اور دوسری دینی خدمات کو بھی آپ ضروری سمجھتے تھے۔ بعض جماعتوں سے وابستہ حضرات جو دین کو صرف اپنے کام میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے امور کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ یہ چیز آپ کی وسیع المشربی کے خلاف تھی۔ بلکہ اس نقطہ نظر کو دین کے ہمہ گیر نظام کے لئے مضر سمجھتے تھے۔ فرماتے کہ "خلوص ہو تو دین کا ہر کام اجر اور ترقی درجات کا باعث اور رضائے خداوندی کا موجب ہے[2]"

○

واخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين۔ اللّٰهم تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التوّاب الرّحيم۔ وصلى الله تعالى خير خلقه محمّد وآله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الرّاحمين

○

[1] تجلیات رحمانی ص ۳۲۲ [2] ایضاً ص ۳۲۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاحِ امّت کا طریقِ کار

تعلیم و تربیت ○ تبلیغ و دعوت

مؤلفہ

حضرت الحاج مولٰنا المفتی قاری السید عبد الشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی

مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال سرگودھا فون ۲

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انار کلی۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِصلاحِ امّت کا طریقِ کار

تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت

بعد الحمد والصلوٰۃ گزارش ہے کہ دین اسلام کے تحفظ و بقاء اور امت کی دینی اصلاح و تربیت کا کام ہر دور میں حسب حالات تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے ذریعہ انجام دیا جاتا رہا ہے ہر زمانہ میں علماء کرام شب و روز کی محنت دیدہ ریزی اور دماغ سوزی کے ساتھ مدارس اور دینی درس گاہوں میں درس و تدریس کے ذریعہ قرآن وسنت وغیرہ علوم اسلامیہ کی تعلیم دینے میں منہمک اور مشغول رہے اور امت مسلمہ کے طبقہ کو علوم نبوت کی وراثت کا حقدار اور (العلماء ورثۃ الانبیاءؑ) کا مصداق بنانے کی جد و جہد کرتے چلے آئے، اور مشائخ عظام نے خانقاہوں اور باطنی تربیت گاہوں میں جلوہ افروز ہو کر خلق خُدا کی اخلاقی تربیت اور باطنی تزکیہ کے ذریعہ گناہ کی آلودگیوں سے دلوں کو صاف کر کے روشن و منور کیا اور اپنی بابرکت مجلسوں اور پر اثر صحبتوں اور توجہات عالیہ سے ہزاروں بندگان خدا کے قلوب کو طمانیت اور یقین و معرفت کی دولت عطا کی، اسی طرح مبلغین اسلام اور داعیان حق نے وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت سے بے راہوں کو راہ راست پر لانے کی سعی اور کوشش فرمائی اور گم کردہ راہ لوگوں کو سیدھا راستہ بتلا کر ان کی صحیح منزل کی نشاندھی کی۔

ایسے ہی مبلغین اسلام اور داعیان حق سراپا اخلاص مجسمہ علم و عمل روحانی شخصیتوں میں سے ایک عظیم شخصیت ہمارے زمانہ میں حضرت مولینا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جنہوں نے اپنی ساری عمر تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت

کے ذریعہ اصلاح امت کے کام میں گزار دی۔

حضرت مولینا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت مولانا مرحوم نے علمی اور روحانی طور پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ اور حضرت مولینا خلیل احمد سہارنپوریؒ جیسے اکابر علماء ربانی اور حکماء امت سے فیض پایا تھا۔ ۱۳۰۳ھ میں آپ پیدا ہوئے اور بچپن ہی سے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ (والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ) کے ساتھ گنگوہ آگئے وہاں تعلیم کے ساتھ حضرت مولانا گنگوہی کی بابرکت صحبت و تربیت کا شرف بھی حاصل رہا اور بیعت کی دولت بھی نصیب ہوئی، اس کے بعد حضرت شیخ الہند سے نسبت تلمذ حدیث حاصل ہوئی اور حضرت سہارنپوری کی طرف سے خلافت طریقت کا اعزاز عطا ہُوا۔

۱۳۲۸ھ سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں اپنے شیخ حضرت سہارنپوریؒ کے زیر تربیت طریقت و سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس کا فرض بھی انجام دیتے رہے ۱۳۳۶ھ میں اپنے سب سے بڑے بھائی مولانا محمد صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ کی ترقی اور نگرانی کے لئے بستی نظام الدین دہلی بنگلہ والی مسجد میں تشریف لاکر علوم دینیہ کی تعلیم اور ترویج و اشاعت میں مشغول ہوگئے۔

بڑی جانکاہی اور جانفشانی کے ساتھ طالب علموں کو چھوٹے بڑے سبق پڑھاتے بعض دنوں میں طلباء کی تعداد اسّی تک پہنچ جاتی مولانا مرحوم ان کو خود پڑھاتے یا اپنی نگرانی میں طالب علموں کے ذریعہ ان کی تعلیم کا بندوبست فرماتے مشغولیت کا

اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک زمانہ میں غیر درسی کتاب حدیث مستدرک حاکم کا سبق صبح کی نماز سے بھی پہلے ہوتا تھا (ماخوذ از دینی دعوت ص۱۰۶ از مولینا ابوالحسن علی ندوی)

مولانا مرحوم نے ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۵ھ تک پورے سترہ سال مدارس دینیہ میں بڑے ہی انہماک اور مشغولیت کیساتھ درس و تدریس کا کام انجام دیا۔

علاقہ میوات میں اصلاحی کام اور اجرائے مکاتب

حضرت مولانا مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ اور ان کے بعد آپ کے بھائی مولانا محمد صاحبؒ نے علاقہ میوات کے بچوں کو اپنی بستی نظام الدین والے مدرسہ میں رکھ کر اور تعلیم دے کر میوات میں وہاں کی اصلاح کے لئے بھیجنے کا طریقہ اختیار فرمایا ہوا تھا اور اس علاقہ میں جو تھوڑی بہت روشنی اور دینداری پائی جاتی تھی وہ ایسے ہی اشخاص کی بدولت تھی جو انہی کے تربیت اور ان کے مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

حضرت مولنا محمد الیاس کے نزدیک بھی اس علاقہ کی اصلاح کی تدبیر صرف یہی تھی کہ اس علاقہ میں دین کا علم پھیلایا جائے شریعت کے احکام و مسائل سے ان کو واقف بنایا جائے مولانا نے ان دونوں بزرگوں کے طرز عمل سے اس سلسلہ میں ایک قدم آگے بڑھانا چاہا اور خود میوات میں مدارس و مکاتب کا قیام ضروری سمجھا مولانا وہاں تشریف لے گئے بڑے تقاضہ اور اصرار سے وہاں دینی مکاتب اور مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع فرمایا۔

مولنا اہل میوات سے فرماتے کہ تم بچے دے دو استادوں کی تنخواہ میں لاؤں گا۔ بڑی حکمت اور تالیف قلب سے پہلے لوگوں کو مدارس کے قیام پر آمادہ

کیا پھر تو یہ حالت ہوگئی کہ ایک ایک دن میں کئی کئی مکتب قائم ہوئے یہاں تک کہ کچھ مدت کے بعد میوات میں کئی سو مکتب قائم ہوگئے جن میں قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم کا انتظام تھا" (دینی دعوت ص۴۳)

شریعت کے احکام و مسائل سے واقف بنانے اور دینی تعلیم و تربیت کے لئے مکاتب قرآن کریم اور دینی مدارس کا جگہ جگہ قائم کرنا نہایت مفید ذریعہ ہے اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جس علاقہ میں بھی مدارس و مکاتب کا سلسلہ قائم رہا ہے اس علاقہ کے لوگوں کی دینی حالت بنسبت دوسرے علاقوں کے بہتر ہوتی ہے اس لئے مولانا مرحوم نے علاقہ میوات کی اصلاح کے لئے دینی مکاتب و مدارس کے اجرا اور قیام میں سعی بلیغ اور حد درجہ کوشش فرمائی اور مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری اور سایہ رحمت قرار دیا چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"مولانا، مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور اس سایہ رحمت کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے جب لوگوں کی ناقدردانی اور غفلت سے دینی مدارس اور مکاتب کی ایک بڑی تعداد میوات میں معطل ہوگئی تھی حاجی رشید احمد صاحب (جو منتظم مرکزی دینی مدارس کے رکن اور معاون تھے) کو (ایک) خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ ہمت فرما دیں کہ سینکڑوں مدرسوں کا سست پڑ جانا یا بند ہو جانا اہل زمانہ کے لئے نہایت وبال اور بازپرس کا خطرہ رکھتا ہے کہ قرآن دنیا سے مٹا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی درد نہ ہو یہ سب باتیں

خطرناک ہیں"۔ (دینی دعوت ص۲۴۶)

دُوسرا حج اور کام کے رُخ کی تبدیلی۔

شوال ۱۳۴۴ھ میں آپ دوسرے حج کے لئے روانہ ہوئے حضرت مولینا خلیل احمد صاحبؒ کی ہمرکابی حاصل تھی مولانا فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران مجھے اس کام کے لئے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ ایک عارف سے ذکر کرنے پر مولانا کو ان کے اس جواب سے بڑی تسکین ہوئی کہ کام لینے والے خود کام لے لیں گے۔ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کروگے پریشانی کی کیا بات ہے، پانچ مہینے حرمین میں قیام کے بعد ۱۳۴۵ھ میں کاندھلہ واپسی ہوئی، حج سے واپسی کے بعد مولانا نے تبلیغی گشت شروع کر دیا۔ دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اولین ارکان اصول کلمہ توحید و نماز کی تبلیغ کریں ایک بار نوح ضلع گڑگانواں میں اجتماع ہوا آپنے مجمع میں اپنی یہ دعوت اور مطالبہ پیش کیا کہ جماعت بنا کر علاقہ میں نکلا جائے حاضرین نے ایک مہینہ کی مہلت طلب کی ایک مہینہ کے بعد جماعت بن گئی، عرصہ تک میوات میں اسی طرز پر کام ہوتا رہا۔ (از دینی دعوت ص۱۰۰")

اس عرصہ میں میوات میں تبلیغی گشتوں اور دین سیکھنے کے لئے سفر و ہجرت کی تحریص و ترغیب اور تذکیر کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مولانا کا اب یہی مطالبہ اور یہی دعوت تھی جو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پیش کرتے رہتے تھے اس سلسلہ میں میوات کے بکثرت دورے اور مختلف مقامات میں جلسے ہوئے۔ ہر جگہ نئے نئے عنوانات اور فضائل و ترغیبات کے ساتھ یہی ایک مضمون بیان فرماتے رہے اور قوم سے اسی کا مطالبہ کرتے رہے (ص۸۵)

"مولانا کے نزدیک زمین مذہب ایمان اور اصول دین ہیں اور ان کی تبلیغ اور ان کو مسلمانوں میں پیدا کرنے کے لئے نقل و حرکت ملک بملک پھرنا اور ان کو عمومی رواج دینے کے لئے جد و جہد (جس کا طریق کار اوپر بیان ہوا) زمین ہموار کرنے اور اس کو سیراب کرنے کے مترادف ہے (دینی دعوت ص۲۵۴)

مولانا کے نزدیک اس زمین کی درستگی اور اس بنیاد کے استحکام سے پہلے کسی بعد کی چیز میں مشغول ہو جانا اور اس میں اپنی قوت و ہمت کو صرف کرنا اور اس سے اچھے نتائج کی امید کرنا غلطی تھی۔ آپنے اپنی توجہ دین کے تمام بعد کے شعبوں اور تکمیلی کاموں سے ہٹا کر بالآخر اسی بنیادی اور اصلی کام پر مرکوز کر لی اور اس میں کامل یکسوئی پیدا کر لی آپ کو ان شعبوں کے سراسر خیر اور حق ہونے میں ذرہ برابر کلام نہیں تھا اور ان کی خدمت کرنے والوں کی دل میں بڑی قدر و عظمت تھی اور ان کے لئے دعا گو رہا کرتے تھے لیکن تجربہ کے بعد اپنے متعلق طے کر چکے تھے کہ اب صرف اسی کام سے اشتغال رکھیں گے (دینی دعوت ص۲۵۵)

باوجودیکہ مولانا نے عمومی اصلاح و تربیت کے لئے ایک خاص طریقہ اختیار فرما لیا تھا اور اس میں حضرت موصوف کو بڑا اشتغال اور شغف حاصل تھا بایں ہمہ دین کے دوسرے شعبوں کی ضرورت کا احساس اور قدر آپ کے دل میں ہمیشہ موجزن رہی ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے یہ میرے لئے خسران عظیم ہے میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرہ برابر بھی نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ

جہاں تک ترقی کر رہے ہیں۔ وہ بہت ناکافی ہے۔" (دینی دعوت ص۱۰۶)

مولانا ابوالحسن علی ندوی دین کے سیکھنے کے لئے اس خاص طریقہ کے عام اور قابل عمل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس مشغول زمانہ کے لئے جو غالباً پوری انسانی تاریخ میں اپنے انہماک اور شدت مشغولیت کے اعتبار سے ممتاز ہے دین کے سیکھنے کے لئے اس سے زیادہ عام اور قابل عمل طریقہ نظر نہیں آتا کہ پابندی سے یا وقتاً فوقتاً اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اور اپنے کو اس وقت کیلئے فارغ کرکے ایسے اجتماعات اور محفلوں میں یا ایسے تبلیغی قافلوں کے ساتھ رہا جائے جو اصول کے مطابق تعلیم و تعلم اور تبلیغ میں مشغول ہوں۔" (دینی دعوت ص۲۷۵)

اہل علم کے لئے ایک خاکہ

مولانا ندوی لکھتے ہیں:۔

"اس تعلیم و تعلم کے خاکہ میں ترقی کی بڑی گنجائش ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے ذہن میں اہل علم کے لئے الگ خاکہ تھا جو ان کے مناسب حال اور ان کی علمی سطح کے مطابق ہو۔ ایک گرامی نامہ میں فرماتے ہیں۔

"اہل علم کے لئے عربیت صحابہ کا کلام اعتصام بالکتاب والسنۃ اور نشر دین کی تحریص کے مضامین جمع کرنے کی خصوصی اور بہت اہتمام سے غور کی ضرورت ہے علمی طبقہ کے لئے اس کے تیار ہونے کی بہت شدید ضرورت ہے۔ اس کے بغیر تحریک میں لگنے میں علمی ٹھیس اور ناقابل انجبار شکستگی اور کسر کا قوی خطرہ ہے اور اسی کی خوبی اور کمی پر علمی طبقہ کا نہوض اور قعود مبنی ہے۔" (دینی دعوت ص۲۸۴)

اس گرامی نامہ سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کے نزدیک اہل علم کے مناسب حال اور ان کی علمی سطح کے مطابق خاص مضامین جمع کرنے کی بہت شدید ضرورت تھی اس کے بغیر علمی طبقہ کے اس تحریک میں لگنے سے مولانا مرحوم ان کے علمی نقصان اور ناقابل انجبار شکستگی کا قوی خطرہ محسوس فرما رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مرحوم نے اس خاص طریقہ کو صرف عوام میں دینی واقفیت پیدا کرنے کے لئے ابتدائی ذریعہ کے طور پر اختیار فرمایا تھا اور مولینا مرحوم اپنے اس خاص طرز سے عوام میں دین کی صرف طلب و قدر ہی پیدا کرنا چاہتے تھے حضرت مرحوم کے نزدیک یہ طرز خاص دین کی تعلیم و تربیت کے لئے کفایت نہیں کرتا تھا چنانچہ حضرت مولانا مرحوم کا ارشاد ہے۔

"علما سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی طرف صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جا سکتی ہے ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جا سکتا ہے آگے دین کی تربیت و تعلیم کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہو سکتا ہے اسی لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔" (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ص۱۴۳)

نیز حضرت مولانا مرحوم کا ارشاد ہے:۔

"ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے پوری طرح وابستہ کرنا یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد سو رہی قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ اور نماز کی تعلیم و تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف، ب، ت، ہے۔" (ملفوظات حضرت مولینا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ص۳۱)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ ان کی تبلیغ کا طرز اور عمومی اصلاح کا یہ طریقہ مدارس اور خانقاہوں کی ترقی کا ذریعہ ہے دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب کے لئے تبلیغ صحیح اصول کے ساتھ ملک ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں۔" (دینی دعوت ص۵۵ ۲)

حضرت حکیم الامت مولینا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی

سرپرستی میں عمومی اصلاح کا طریق کار

۱۳۴۱ھ میں جب اطراف آگرہ سے فتنہ ارتداد کی خبر پہنچی تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے مقامات کا خود بھی بنفس نفیس تبلیغی دورہ فرمایا جہاں ارتداد کا اندیشہ قوی تھا۔ ریواڑی نارنول موضع اسماعیل پور متصل الور میں الاتمام لنعمۃ الاسلام حضرتؒ کا وعظ ہوا جس کے تین حصے ہیں۔ اور اپنے خاص منتسلین کو بھی اس علاقہ میں تبلیغ کے لئے مامور فرمایا جس کی کسی قدر تفصیل "دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت" میں کردی گئی ہے۔ اور اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

عمومی اصلاح کا دوسرا طرز:۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص اجازت اور صحبت یافتہ منتسلین میں سے مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونیؒ اور میرے والد محترم سید عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کو اس علاقہ ارتداد میں مقرر فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے کامل دو سال تک اس سلسلہ تبلیغ کو جاری رکھا اور مولینا

عبدالمجید صاحب بچھرایونی تو تقریباً بارہ سال تک اس کام پر مامور رہے۔
(اشرف السوانح حصہ سوم)

ان حضرات کا طریقہ تبلیغ واصلاح یہ تھا کہ دیہات میں نماز روزہ کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ وہاں سلسلہ تعلیم بھی قائم کیا جاتا اور مساجد میں اماموں کے تقرر اور اماموں کے ذریعہ نماز وغیرہ سکھانے کی کوشش کی جاتی اور جن دیہاتوں میں نماز وغیرہ کی پابندی پائی جاتی وہاں دوسرے شرعی امور کی پابندی کی تاکید کی جاتی سود لینے دینے سے توبہ کرائی جاتی۔ شراب سے توبہ کرائی جاتی، بچوں کا خلاف شرع زیور اتروایا جاتا وغیرہ وغیرہ

مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم بھی ان دوروں میں اکثر ساتھ ہوتے اور اماموں کے تقرر میں امداد فرماتے مساجد میں اماموں کے تقرر اور ان کے ذریعہ مکاتب اور مدارس کے احیاء کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ حضرت اقدس تھانویؒ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ اس دینی ضرورت کو پورا کرنے میں مالی تعاون بھی فرماتے۔ میوات کے ایسے مدارس ومکاتب کی ایک ایسی فہرست نقشہ کی صورت میں ماہنامہ "النور" تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ماہ شوال وذی قعدہ وذی الحجہ ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی ہے اس میں اکتالیس مقامات کے مدارس اور مکاتیب کی تفصیلات مع تعداد طلباء ہر مقام درج ہے۔ میزان کل طلبہ ۸۰۲ لکھی ہے۔ اس کے علاوہ ایک معلم نماز سکھانے کے لئے مقرر کیا گیا، جس جگہ مکتب نہ ہوتا وہ ایک ایک ماہ ایسے گاؤں میں قیام کرکے لوگوں کو نماز سکھاتا۔

نماز وغیرہ دینی ضروریات کی تعلیم کا عام اور آسان طریقہ

جس جگہ مکتب قائم ہو یا امام مسجد مقرر ہو وہاں نماز سکھانے کا کام مکتب کے مدرس یا امام مسجد سے لیا جا سکتا ہے ورنہ نماز سکھانے کے لئے کسی شخص کو متعین کر دیا جائے کہ وہ ہر بستی میں مہینہ بھر یا اس سے کم و بیش مدت تک ضرورت کے مطابق قیام کر کے نماز وغیرہ دینی ضروریات کی تعلیم دینے کا کام انجام دے۔ اس طریقہ سے نماز روزہ دینی ضروریات کی تعلیم کا کام آسانی کے ساتھ عام ہو سکتا ہے اور اس میں ہر شخص اپنی دنیوی ذمہ داریوں اور معاشی ضروریات میں مشغولی کے ساتھ بھی شرکت کر سکتا ہے اور کسی شخص کو بھی اپنی ذمہ داریوں میں مصروفیت اور مشغولیت کا عذر دین کی ضروری معلومات حاصل کرنے اور ضروریات دین کے سیکھنے میں حائل نہیں ہو سکتا۔

اور مروجہ تبلیغی چلوں کی نافعیت اور افادیت کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر شخص باہر نکلنے اور چلہ دینے کے لئے اپنی دنیوی ضروریات سے فراغت حاصل نہیں کر سکتا اور ایسے لوگوں کی دینی ضروریات کی تعلیم کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے جو عدیم الفرصتی کی وجہ سے باہر نکلنے اور چلہ دینے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں ہوتے اس کی قابل عمل اور آسان صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہر بستی میں مقامی طور پر دینی ضروریات کی تعلیم و تعلم کا انتظام کر دیا جائے جیسا کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۰۵ھ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت امام غزالی کا ارشاد :۔

وان كان لايدرى انما يوتكبه ذنب فعلى العالم ان يعرفه ذالك بان يتكفل كل عالم باقليم او بلدة او محلة او مسجد او مشهد فيعلم اهله دينهم و يميز ما يضرهم عما ينفعهم وما يشقيهم عما يسعدهم ...

اگر کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ جس کا مرتکب ہو رہا ہے وہ گناہ ہے تو عالم کا فرض ہے کہ

وہ اس کو اس بات سے خبردار کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے ایک ایک عالم ایک ایک علاقہ یا محلہ یا مسجد یا مجلس یا اجتماع کا ذمہ لے کہ وہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے گا اور جس بات میں ان کا نقصان اور جس بات میں ان کا فائدہ ہے جو ان کے لئے خیر و برکت کا باعث اور جو اُن کے لئے مہلک اور تباہ کن ہے سب کو کھول کھول کر بیان کرے گا ....

وهذا فرض عين على العلماء كافة وعلى السلاطين كافة ان يرتبوا في كل قرية وفي كل محلة فقيهاً متديناً يعلم الناس دينهم فان الخلق لايولدون الا جهالاً فلابد من تبليغ الدعوة اليهم في الأصل والفرع -

علماً اور بادشاہان اسلام کے ذمہ فرض عین ہے کہ ہر گاؤں اور ہر محلہ میں ایسے دیندار عالم مقرر کرے جو لوگوں کو ان کا دین سکھائے اس لئے کہ لوگ جاہل پیدا ہوئے ہیں پس دین کے اصول و فروع کے متعلق ان کو دعوت دینے اور تبلیغ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(احیاء العلوم برحاشیہ جز ۸ ص۶۱)

مقصد یہ ہے کہ دینی ضروریات کی تعلیم و تعلم کا عمومی طریقہ اور ہر مقام کے مسلمانوں کو اسلامی ضروری احکامات سے واقف بنانے کی یہ آسان صورت ہے کہ ہر شہر ہر محلہ ہر بستی میں ایک ایک عالم دین مقرر کر دیا جائے اور چھوٹے

بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے مکاتب قرآنیہ مع اردو دینیات تعلیم الاسلام، بہشتی زیور، وغیرہ کی تعلیم کا انتظام کردیا جائے۔

جب ہر بچہ ابتدائی ضروریات، کلمہ، نماز، روزہ وغیرہ سے واقف ہوجائے گا تو پھر کوئی ایسا بالغ شخص کم ہی ہوگا جس کو ان بنیادی دینی ضروریات کی تعلیم کی ضرورت باقی رہ جائے اور اس کے لئے چلہ وغیرہ میں وقت دینا ضروری ضروری ہو اور اگر کچھ ایسے اشخاص پائے بھی جائیں تو وہ بھی مقامی مکتب کے مدرس یا مسجد کے امام یا عالم کی طرف رجوع کرکے اپنی دینی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔

اس نظام کے ہر جگہ قائم کرنے کے بعد محنت اور کوشش اس کی ہونی چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ بچوں کو ان مکاتب قرآنیہ میں داخل کیا جائے اور بڑوں کو بھی ترغیب دلاکر مقامی طور پر دین کے سیکھنے کے لئے مکاتب اور مساجد کے مدرسین اور ائمہ کے ساتھ جوڑا جائے۔

یہ وہ جامع طریقہ ہے جس کے ذریعہ چھوٹے بڑے نابالغ اور بالغ سب ہی کی ضروریات دینیہ کی تعلیم و تعلم کا فرض انجام پا سکتا ہے۔

موجودہ تبلیغی طریق کار میں بالغین کی تعلیم کا تو کسی قدر انتظام ہوتا ہے مگر نابالغ بچوں کی تعلیم اور دینی تربیت کا کوئی انتظام اسی طریق کار میں نہیں ہوسکتا اور بالغوں کی طرح نابالغوں کو بھی چلوں میں نکلنے کی ترغیب دینا علاوہ دوسرے مفاسد کے بچوں کے مزاج میں آزادی اور سیر و سیاحت کا شوق پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ دینی مدارس میں بچوں کے اساتذہ کی زیر نگرانی قیام و تعلیم پر اس کو قیاس نہیں کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا قیام ایک جگہ پر رہتا ہے اور تبلیغی دوروں میں جگہ بجگہ چلنا ضروری ہے ایسی حالت میں نگرانی بہت مشکل ہے اور تعلیم کے لئے

یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ ایک جگہ قیام ضروری ہے ہونا اس لئے سفر میں تعلیمی نظم قائم نہیں رہ سکتا پھر جب بچہ کی طبیعت آزادی کی عادی اور چلنے پھرنے کی طرف مائل ہوجاتی ہے تو اس کے اثرات سفر سے واپس آکر بھی طبیعت میں باقی رہتے ہیں اور طبیعت تعلیمی پابندی سے گھبراتی ہے اور تعلیم سے ہی اس کا دل اچاٹ ہوجاتا ہے۔ اور بالغین میں سے بھی صرف ان کے لئے تعلیم کا بہت ہی ناکافی انتظام ہوتا ہے جو تبلیغی چلوں کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ باقی ماندہ بالغین کے لئے اتنا انتظام بھی نہیں ہوتا۔

اس طریقہ کار سے دین کی طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی دوسرے ذریعہ کے محتاج رہتے ہیں اور اس کا اس طریق کار میں کوئی باقاعدہ کافی انتظام نہیں ہے صرف یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اپنے علاقہ کے علماء سے مسائل و احکام دریافت کرلیا کریں اول تو چلہ دینے والوں میں مقامی علماء سے استغناء اور بے نیازی کا برتاؤ بھی مشاہدہ میں آرہا ہے اور دیکھنے میں آرہا ہے کہ چلوں میں جانے کے بعد کسی ایسے عالم سے تعلق رکھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی جو اس طریقہ کار کے ساتھ منسلک نہ ہوں بلکہ خود ایسے عالم کی ہی اصلاح اور اس کے لئے تبلیغی چلوں کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور اس کے ساتھ صرف دعا کرانے کا ظاہری تعلق رکھا جاتا ہے مسائل کے بارہ میں اس پہ زیادہ اعتماد نہیں کیا جاتا اور اس سے تعلیم حاصل کرنے کی بجائے چلوں ہی میں جانے کو ہی ترجیح دی جاتی ہے اور بار بار اسی ایک سبق کو ہی دہرایا جاتا رہتا ہے مزید تعلیم حاصل کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوا جاتا۔ دوسرے اتنا کہہ دینا تجربہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعلیم احکام کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا تعلیم کے لئے تو کسی دین کے جاننے والے سے تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔ پھر جب حالت یہ ہو کہ شہر گاؤں، بلکہ علاقہ بھر میں بھی عالم دین موجود نہ ہو تو وہ کس سے

مسائل دریافت کرے دین کی طلب، پیاس پیدا کرکے پیاسا چھوڑ دینا اور پیاس بجھانے کا انتظام نہ کرنا بہتر تدابیر اور مفید علاج نہیں ہوسکتا اور یہ بات عادۃً ناممکن ہے کہ ہر شخص میں دین کی اتنی طلب پیدا کر دی جائے کہ وہ اپنی تمام مصروفیات کو یکسر ترک کرکے سفر کو خرچ کی تمام تر دشواریوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو جائے اور اپنی دینی پیاس بجھانے کے لئے دور دراز کے مقامات پر جانے کے لئے نکل کھڑا ہو، طبعی اور فطری طریقہ یہی ہے کہ ہر محلہ ہر گاؤں کی دینی ضروریات کی تعلیم کا انتظام مقامی طور پر ہی کیا جائے اور ہر مقام کے لوگوں کو اس انتظام کے لئے ترغیب دلاکر اور ضرورت بتلاکر تیار کیا جائے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اوّل تو ہر شخص کو چلّہ دینے کے لئے تیار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دینی ضروریات کی تعلیم اور تعلم کے لئے صرف چلّہ دینے کو کافی بھی قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے ہر ہر جگہ مقامی طور پر ہی دینی احکام کی تعلیم کا انتظام کرنا اور مکاتب دینیہ کا اجرأ ضروری ہے۔

قابل توجہ اہم شکایت :۔

شہروں اور قصبات میں تو دینی مکاتب اور مدارس دینیہ کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ پائی بھی جاتی ہے اور دینی مدارس کا کسی قدر نظام مساجد اور مستقل عمارتوں میں قائم ہے مگر دیہات اور چھوٹے گاؤں میں دینی تعلیم کے انتظام کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے بہت کم کوئی گاؤں ایسا ہوگا جس میں کوئی مکتب دینی تعلیم کے لئے قائم ہو البتہ بعض دیہاتوں میں آئمہ مساجد قرآن مجید کی تعلیم حفظ و ناظرہ کا کام انجام دینے میں مشغول ہیں اور ان کے ذریعہ دیہاتی بچوں کو کلمہ طیبہ اور نماز وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل ہو جاتی ہے اس مکتبی نظام کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت

ہے اور ہر گاؤں میں یہ نظام قائم کرنا اور لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلانا بہت ضروری ہے جہالت کے دور کرنے اور بچوں کو ابتدائی دینی ضروریات کی تعلیم کا یہ بہت مفید ذریعہ ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے سفرنامہ حجاز میں لکھا ہے کہ میں نے مکہ معظمہ میں مبلغین کو تاکید کی تھی کہ حجاز کے دیہات میں قرآن مکاتب قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ بڑوں کا جہل دور ہو اور ان کو علم سے مناسبت ہو جائے امید ہے کہ دوستوں نے اس کا اہتمام کیا ہوگا" (تذکرۃ الظفر ص۹۹)

مگر تبلیغی جماعت کے گشت کرنے والوں کو اس بات کی طرف کوئی توجہ نہیں کہ مقامی طور پر دینی تعلیم کے انتظام کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی جائے، ان کی کوشش صرف یہ ہوتی ہے کہ چلّہ میں چلنے کے لئے لوگوں کو تیار کیا جائے حضرت مولانا عثمانی مرحوم نے بھی اس کی شکایت فرمائی ہے فرماتے ہیں "مبلغین عام طور پر تبلیغی گشت ہی کو کافی سمجھتے ہیں مکاتب قرآنیہ اور مدارس دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ جہاں قرآنی مکتب اور دینی مدارس نہ ہوں وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا بہت ضروری ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو اس کا خاص اہتمام تھا" (تذکرۃ الظفر ص۹۹) اور قابل شکایت بات یہ ہے کہ اکثر ایسے اماموں کو بھی چلّہ کے لئے تیار کر لیا جاتا ہے جو بچوں کی تعلیم میں مشغول اور کسی قدر دین کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر اس بات کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا کہ چلّہ کے ایام میں اس دینی خدمت اور مکتب کا نظام قائم رہے گا یا نہیں، ضرورت تو اس کی ہوتی ہے کہ دیہاتوں میں گشت کرکے مقامی لوگوں کو اس مکتبی نظام کے ساتھ وابستہ کیا جائے، بچوں کو اس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجنے کی ترغیب دلائی جائے اور بڑوں کو اپنا کلمہ نماز وغیرہ ضروریات کے سیکھنے کی تاکید کی جائے، اگر موجودہ طریق کار میں صرف چلّہ دینے اور باہر نکلنے پر ہی تمام کوشش لگا دی جاتی

ہے۔ اب اگر اس کوشش سے بستی کے سینکڑوں آدمیوں سے میں پانچ دس آدمی چلّہ دینے کے لئے آمادہ بھی ہوجاتے ہیں تو پھر بھی باقی ماندہ اہل بستی کے لئے دینی تعلیم کے انتظام کی ضرورت بدستور باقی رہتی ہے اور سب اہل بستی اس طریقہ کار سے اپنی دینی ضروریات کی تعلیم حاصل نہیں کرسکتے کیونکہ تمام اہل بستی کسی صورت میں بھی دینی ضروریات کے حاصل کرنے کے لئے نوبت بنوبت اور باری باری بھی باہر جانے کے لئے تیار نہیں ہوسکتے اور چلہ نہیں دے سکتے۔ پھر یہ چلّہ دینے والے بھی اکثر واپس آکر اپنے اپنے کاروبار تجارت وزراعت کے کاموں میں مشغول ہوجاتے ہیں اور دینی ضروری احکام کے سیکھنے کے لئے وقت نہیں نکالتے اور نہ ہی ضروری مسائل کی کسی کتاب کے سننے سنانے کا کوئی معمول مقرر کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ فضائل کی کتابوں کو سننے سنانے کا کام انجام دیتے ہیں، اور صرف اسی کام کو ضروری اور کافی تصور کرتے ہیں، اگرچہ یہ بھی ایک مفید صورت ہے اور دین کی طرف رغبت دلانے کے لئے نافع ہوسکتی ہے۔ مگر اصل کام احکام دینیہ کی تعلیم وتعلم کا باقی رہ جاتا ہے، اس کا انتظام اسی طریقہ سے ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ اوپر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے ارشاد کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

توجہ طلب گزارشات:۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا ہوگا کہ امت کی عمومی اصلاح وتربیت کے لئے مصلحین امت نے مختلف زمانوں میں مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں اور ایک ہی زمانہ میں بھی اپنے اپنے تجربات اور مصالح دینیہ کی رعایت اور مختلف ضروریات دینیہ کے لحاظ سے مختلف طریقوں کو اختیار فرمایا جاتا رہا ہے اور اب

بھی ایسے ہی مختلف طریقوں سے اصلاح امت کا کام انجام دیا جاسکتا ہے

منجملہ ان طریقوں کے ایک طریقہ یہ بھی ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کی اصلاح کے لئے اختیار فرمایا ہے مگر یہ طریقہ نہ تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور نہ ہی اس طریقہ میں اصلاح امت کا کام منحصر ہے مولانا مرحوم نے اصلاح معاشرہ کے لئے اسی کو مفید اور نافع سمجھا اس لئے اس کو اختیار فرمالیا اور واقعی اصول کے موافق حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے خلوص سے اس طرز پر کام کیا جائے تو عوام کے لئے یہ بہت مفید اور نافع کام ہے۔ مگر کوئی کام بھی خواہ وہ کتنا ہی مفید اور عمدہ ہو اگر حدود سے تجاوز کرجائے اور اس میں غلو پیدا ہوجائے تو پھر وہ قابل اصلاح ہوجاتا ہے اس لئے تبلیغی جماعت کے سرپرست حضرات مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ وغیرہ حضرات ہمیشہ اس پر تنبیہ اور اصلاح فرماتے رہے ہیں جیسا کہ ان حضرات کی تصانیف سے واضح۔

اصلاحات کے بارہ میں ضروری گزارش

تبلیغی جماعت کے اس طریقہ کار کے بارہ میں اصولی طور پر تقریباً سب ہی حضرات اکابر نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے خاص طور پر مرشدی حضرت مولنا ظفر احمد عثمانی رحؒ اور شیخ الحدیث مولنا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی نے اس جماعت کی افادیت ونافعیت بتلاکر بڑے زوردار طریقہ سے اس کی تائید وحمایت فرمائی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اس جماعت کے طریق کار میں جو باتیں قابل اصلاح شامل ہوگئی ہیں اور جو غلو اور تشدد اس میں پیدا ہوگیا ہے ان باتوں کی اصلاح پر بھی یہ دونوں حضرات ہمیشہ توجہ

دلاتے رہے ہیں اور قابل اصلاح امور کی نشاندہی فرماتے رہے ہیں جیساکہ ان حضرات کی مطبوعہ تحریرات سے واضح ہے، عدل و انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تائید و حمایت کے ساتھ قابل اصلاح امور پر بھی نظر رکھی جائے، اس لئے ان اکابر کی تائید و حمایت کا یہ مطلب نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس میں کوئی بات بھی اصلاح طلب نہیں ہے اور یہ کہ مستقبل میں بھی کوئی ایسی بات اس میں پیدا نہیں ہو سکتی جس کی اصلاح ضروری ہے کسی جماعت پر اس کی حالتِ موجودہ کے لحاظ سے ہی کوئی حکم لگایا جاتا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں اصولِ شرعیہ کے تحت دوبارہ اس کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اگر کوئی بات قابلِ اصلاح ہو اس کی اصلاح کی جانی ضروری ہے۔ خصوصاً جن اصلاحات کو خود اکابر نے ہی تجویز فرمایا ہو ان کا ذکر کرنا تو کسی طرح بھی ان حضرات اکابر کی مخالفت نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ یہ ان اکابر کا عین اتباع ہے کہ صحیح بات کی حمایت و تائید کے ساتھ قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی بھی کر دی جائے اس کو حضرات اکابر کی حمایت و تائید کے خلاف سمجھنا درست نہیں ہوگا ذیل میں ایسے ہی بعض حضرات اکابر کی اصلاحات پیش کی جا رہی ہیں جن کو نہ صرف یہ کہ تبلیغی جماعت کے کام کے ساتھ قلبی تعلق اور گہرا ربط حاصل رہا ہے بلکہ عملی طور پر بھی وہ اس میں شرکت کرتے رہے ہیں ان حضرات کی تنبیہات و اصلاحات کو یہ کہہ کر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اصلاحات ایسے حضرات کی طرف سے پیش کی جا رہی ہیں جن کو اس جماعت کے کام میں عملی شرکت کا موقع نہیں ملا اور ان کو جماعت کے کام کا تجربہ اور اس کے حالات سے اچھی طرح واقفیّت حاصل نہیں ہے جیساکہ بعض دوسرے اہل علم حضرات کی اصلاحات اور ان کے پرخلوص مشوروں کو یہی بات کہہ کر ناقابل توجہ قرار دے دیا جاتا اور عوام میں ان کی اصلاحات کو بے وقعت

بنانے کے لئے یہ کہدیا جاتا ہے کہ ان حضرات کو اس کام کی حقیقت سے واقفیت حاصل نہیں ہے اور یہ کہ واقفیّت حاصل کرنے کے لئے اس کام میں عملی شرکت ضروری ہے حالانکہ کسی جماعت کے کام اور حالات سے واقفیت عملی شرکت پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ دوسرے معتبر ذرائع معلومات سے بھی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے اور اس کی بنیاد پر اس کا حکم شرعی تبلایا جا سکتا ہے حکم شرعی کے اظہار اور اصلاحی مشورہ کے لئے اتنی واقفیّت بھی کافی ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ عملی شرکت سے قابل اصلاح امور کا عینی مشاہدہ ہوکر بصیرت حاصل ہو جاتی ہے مگر حالات کا علم اور واقفیت عملی شرکت پر موقوف نہیں ہے، اس لئے یہ بات بھی قابلِ اصلاح ہے کہ جماعت کے کام اور حالات سے واقفیّت کو اس میں عملی شرکت پر موقوف سمجھا جاتا ہے اور شرکت کے بغیر اس کے متعلق حکم شرعی کے اظہار اور کسی مشورہ کو ناقابل التفات قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عملی شرکت کے بغیر کسی جماعت کے بارہ بھی کوئی حکم شرعی قابل قبول اور کسی شخص کو بھی اس کے بارہ میں اصلاح و مشورہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ علاوہ اس کے کہ یہ بات ایک جو یائے حق اور طالب اصلاح بلکہ امت کی اصلاح کے لئے اٹھنے والی جماعت کے شایان شان نہیں ہے اور اس تعلیم کے خلاف ہے کہ، کلمة الحکمه ضالة المؤمن فحیث وجدها احق بها۔ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے جس جگہ بھی وہ ملے وہ اس کا حقدار ہے، اس بات سے گروہ بندی اور جماعتی تعصب کی بھی بو آتی ہے اور امت کے مختلف طبقات میں بلکہ خود اہل حق میں ہی جوڑ اور اتحاد کی بجائے توڑ اور انتشار پیدا ہوتا ہے، پھر اس بات کو ہر وہ جماعت جو جادہ اعتدال سے ہٹ گئی ہو اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے بطور ایک حربے کے استعمال کر سکتی ہے اور اس کو آڑ بنا کر کہہ سکتی ہے

کہ جب تک ہماری جماعت میں شامل ہو کر اس کے طریق کار کے مطابق عملی شرکت نہ کی جائے اس وقت تک نہ تو اس کی خامیوں اور کوتاہیوں ہی کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے بارہ میں کسی عالم یا غیر عالم کا کوئی مشورہ اور اصلاح قابل توجہ ہو سکتی ہے۔

البتہ انتظامی امور میں کسی اصلاح و مشورہ کے لئے تجربہ کی ضرورت کسی حد تک تسلیم کے قابل ہے مگر ان امور کے بارہ میں بھی حکم شرعی بتلانے کے لئے کسی عملی تجربہ کی ضرورت نہیں ہے اس کے لئے شریعت کے اصولوں کا صحیح علم کافی ہے اور شرعی اصولوں کی روشنی میں کسی عمل کے جائز و ناجائز ہونے کا حکم لگانے کا حق ہر صاحب فتویٰ عالم کو حاصل ہے، مگر جماعت کے بارے میں اب یہ حق صرف ایسے ہی علماء کے لئے مخصوص کیا جا رہا ہے جن کو جماعت کا عملی تجربہ بھی حاصل ہو، بلکہ اب تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایسے حضرات اکابر کی اصلاحات اور مشوروں کو بھی قبول نہیں کیا جاتا جن کا علم وفضل معیاری اور دیانت وتقویٰ مثالی ہے اور ان کو جماعت کے کام کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے اور انہوں نے اس میں شرکت بھی کی ہے، چنانچہ ایسے حضرات کی اصلاحات کے حوالہ آپ آئندہ اوراق میں ملاحظہ کریں گے ان حضرات اکابر کی یہ اصلاحات عرصہ دراز سے شائع ہو چکی ہیں مگر جماعت کے ذمہ دار حضرات نے ان کی طرف کسی توجہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ فالی اللہ المشتکی

حضرات اکابر کی اصلاحات :۔

حضرت مولانا عثمانی مرحوم اپنے سفرنامہ حجاز حصہ دوم میں فرماتے ہیں:۔

تبلیغ اور اس کے فوائد پر روشنی ڈال چکا ہوں اس میں شک نہیں کہ اس کام کو

اصول کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن افراط و تفریط سے ہر کام میں احتیاط لازم ہے (تذکرۃ الظفر ص۹۵)

ایک خط کے جواب میں مولانا عثمانی مرحوم نے فرمایا۔ میں نے اپنے سفرنامہ حجاز حصہ دوم میں تبلیغی جماعت کی بعض غلطیوں پر تنبیہ کر دی ان میں سے یہ بھی کہ چلہ وغیرہ پر زور دینا غلو اور تشدد ہے۔ (ماہنامہ البلاغ)

حضرت شیخ الحدیث نے ایک صاحب کے خط میں تحریر فرمایا۔ آپ نے جو حالات لکھے ان کے لحاظ سے میرے نزدیک چلہ میں جانا ہرگز مناسب نہیں ہے کہ گھر والوں کی معاشی خبرگیری اور قرض والوں کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص۱۲۹) اور ارقام فرماتے ہیں۔

"مجھے دو چیزوں میں خاص تصلب (مضبوطی) ہے ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق العباد ہوں وہ مقدم ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف سے ممانعت ہو وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں۔" (ص۱۳۵) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

"یہ ناکارہ تو والد صاحب کی اجازت کے بغیر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔" (ص۲۵)

مولینا منظور نعمانی لکھتے ہیں:۔

"یہ غلطی عام طور پر ہوتی ہے کہ عام مجمعوں میں ایسے لوگوں کو بات کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے بلکہ اس کام سے اچھی طرح واقفیت بھی نہیں رکھتے اور بات کرتے وقت اپنے علم کی حد کی پابندی بھی نہیں کرتے واقعہ یہی ہے کہ ایسی غلطیاں بکثرت ہوتی ہیں اور یہ بات کام کے ذمہ داروں کے لئے بلاشبہ بہت فکر و توجہ کے لائق ہے۔" (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص۲۱۱)

اس غلطی کی اصلاح کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اول تو ہر کس و ناکس کو بات کرنے کے لئے کھڑا نہ کیا جایا کرے اور اگر کوئی اہل موجود نہ ہو تو کتاب ہاتھ میں لے کر

پڑھ لیا کریں اور یہ بھی نہ ہوسکے تو بصورت مجبوری صرف چھ نمبروں کی فہرست سنا دی جایا کرے تقریر کرنے کی اجازت نہ دی جایا کرے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بعض لوگ تبلیغ کے سوا دوسرے تعلیمی شعبوں اور خدمت اسلام کے اور طریقوں کو بیکار سمجھتے ہیں اور جو علماً صلحاً اپنے اپنے طریقوں پر مدارس یا خانقاہوں میں درس حدیث قرآن و فقہ اور تزکیہ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تحقیر کی جاتی ہے اور تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کی بیقدری اور بے وقعتی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی غلو اور افراط ہے اگر سارے علماء وصلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں، اور دوسرے کام معطل کر دیئے جائیں تو علم دین اور قرآن، حدیث و فقہ اور تزکیہ اخلاق و تکمیل ذکر اور تحصیل نسبت باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہو جائے گا حق تعالٰی نے جہاں یہ فرمایا ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر کہ "تم میں سے ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے نیک کاموں کا امر کرے، وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون" مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت سے کچھ لوگ اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو اللہ تعالٰی کی نافرمانی سے ڈرائیں (تذکرۃ الظفر ص۹ بحوالہ سفرنامہ حجاز حصہ دوم ص۸)

حضرات اکابر کی ان اصلاحات کو قطعاً نظر انداز کیا جا رہا ہے اور چلّے وغیرہ پر اسی طرح زور دیا جا رہا ہے اور اس میں اسقدر غلو ہو رہا ہے کہ اس سے کسی شخص کو کسی حال میں بھی مستثنٰی نہیں سمجھا جاتا اور گھر والوں کی معاشی خبر گیری اور قرض والوں کے قرض کی ادائیگی کو ضروری اور حقوق العباد کو مقدم سمجھنے کی بجائے اس طرح عذر کرنے پر حقوق العباد

کی اہمیت کو مخاطب کے دل سے کم کرنے کے لئے بڑے یقین سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کام میں لگنے پر قیامت میں اہل حقوق کو جنت کی نعمتیں دے کر خود حق تعالٰی جل شانہٗ حقوق کے معاف کرنے پر راضی فرمائیں گے۔ حد یہ ہے کہ حکم عام کے وقت کی ایسی آیات انفروا خفافاً و ثقالاً وغیرہ کو اس موقع پر پڑھا جاتا ہے جن سے ہر شخص پر جہاد کا فرض ہونا اور نکلنا ثابت ہوتا ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے پر وارد ہونے والی آیات وعید سنا کر گھروں سے نکلنے اور چلّے دینے پر آمادہ کیا جاتا ہے اور نہ نکلنے والوں کو الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیماً۔ "اگر تم نہ نکلوگے تو دے گا تم کو عذاب دردناک" کا مصداق اور دردناک عذاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے اس طرح کے طرز عمل سے حضرات اکابر کی مذکورہ ہدایات اور ادائیگی حقوق کے بارہ میں ان کی تاکیدات کی صراحتاً خلاف ورزی ہوتی ہے حق تعالٰی کی طرف سے اہل حقوق کو اپنے حقوق کی معافی پر رضامند کرنے کی توقع ایسے شخص کے لئے تو کی جاسکتی ہے جو اپنی پوری کوشش کے باوجود حقوق کی ادائیگی سے قاصر رہا ہو۔ پھر اللہ تعالٰی کا خصوصی کرم کسی پر ہو جائے اور اس کے ساتھ اس طرح کا کریمانہ برتاؤ فرمایا جائے لیکن یہ کوئی قانون عام اور ضابطہ نہیں ہے اس لئے معافی کی توقع پر حق تلفی کی تلقین وترغیب اور قصد و ارادہ کے ساتھ حقوق کے ضائع کرنے کو جائز اور اس سے بڑھ کر کار ثواب سمجھنا سخت غلطی ہے۔

اسی طرح آیات وعید میں ایسے ہی لوگوں پر وعید اور ملامت کی گئی ہے جو بغیر عذر کے جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے ورنہ ضعیفوں مریضوں اور جن لوگوں کے پاس خرچ نہ ہو ان کا محل ملامت نہ ہونا۔ لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج (نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور ان لوگوں پر جن کے پاس نہیں خرچ، کچھ گناہ) سے بیان فرما دیا گیا ہے اور معذوروں کو اس وعید سے مستثنٰی کر دیا گیا ہے اور غیر معذورین کے لئے بھی یہ وعید اس صورت میں

ہے جبکہ یہ سفر کرنا اور گھر سے نکلنا فرض قرار دے دیا جائے اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ دینی ضروری احکام کی تعلیم کا مقامی طور پر انتظام کرنا ممکن نہ ہو ورنہ تو اس طرح کی وعید کا سفر نہ کرنے اور گھر سے نہ نکلنے کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے) اس لئے محل اور موقع پر نظر کئے بغیر ہر شخص پر اس آیت کو چسپاں کر دینا غلو اور بے جا تشدد کی حد میں آتا ہے ۔

عورتوں کی تبلیغ

مردوں کی طرح عورتیں بھی ایک شہر سے دوسرے شہر میں تبلیغ کے لئے جاتی اور وہاں کی عورتوں کو تبلیغ میں نکلنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرت مولینا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی ؒ سے بھی استفسار کیا گیا تھا کہ کیا عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا مع محرم کے درست ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ارقام فرمایا ہے کہ عورتوں کا تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنا زمانہ خیر الامم میں نہ تھا (کفایت المفتی جلد ۲ ص۱۰۱) حضرت مفتی صاحب کے ارشاد سے واضح ہے کہ عورتوں کے تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنے اور سفر کرنے کا یہ طریقہ زمانہ خیر القرون میں مروج نہیں تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی امیر ثانی جماعت تبلیغ بھی ایک مکتوب میں مولانا عبید اللہ بلیاوی کو عورتوں میں کام کے طریقہ کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "عورتوں کی تبلیغ میں صرف یہ کیا جائے کہ عورتیں دینی کتب پڑھیں پڑھائیں اور سنائیں، اسلامی رواج کی پوری پابندی کریں اور اپنے متعلقین کو بھی اس کا پابند کریں اپنے مردوں کو دین سیکھنے کے لئے تبلیغ کے اندر باہر بھیجیں تاکہ جو کچھ سیکھ کر آئیں وہ ان کو سکھائیں گشت کی قطعاً اجازت نہ دی جائے" (سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص۶۶۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نے عورتوں میں کام کی جن نزاکتوں کا احساس فرما کر ان کو گشت کی جو قطعی ممانعت فرمائی ہے ایمانی حکمت

اور دینی بصیرت کا یہی تقاضا ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے بعد حالات زمانہ پر نظر کرتے ہوئے جب عورتوں کو مسجد کے اندر جماعت میں شامل ہونے کی ممانعت کر دی گئی تو اب جبکہ حالات زمانہ کے بگاڑ اور فساد میں غلبہ ہوتا جا رہا ہے تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنے کی اجازت دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ہر گھر میں مردوں کے ذریعہ دینی مسائل سکھلانے اور دینی کتابوں کے پڑھنے اور سنانے کی جو تجویز مولانا یوسف صاحب نے فرمائی ہے عورتوں کے دین سیکھنے کے لئے یہ تجویز بہترین اور تمام مفاسد سے محفوظ ہے۔ اس پر ہر گھر میں عمل کرنا ضروری ہے ۔

غرضیکہ حضرت مولینا محمد الیاس ؒ نے اپنے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام سے دینی مدارس اور خانقاہوں میں علمی اور روحانی فیض حاصل کر کے انہی کے طریقوں کے مطابق دینی مدارس سہارنپور اور بستی نظام الدین دہلی میں علوم دینیہ اور فیوضات روحانیہ کی اشاعت میں اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صرف فرمایا اور مکاتب دینیہ کے اجرا میں سرگرم حصہ لیا آخر میں عوام میں دین کی عمومی فکر پیدا کرنے کے لئے دوسرا طرز اختیار فرمایا جو تجربہ سے مفید ثابت ہوا، مگر یہ طرز مولانا کا استنباطی اور اجتہادی تھا جس کو منصوص نہیں کہا جا سکتا، البتہ نصوص قرآن وسنت سے اس کا استنباط کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت مولینا محمد الیاس صاحب ؒ کا ارشاد ہے کہ " اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا " (ملفوظات ص۵۰)

پھر اس کے بعد کنتم خیر امۃ کی خواب میں الہامی تفسیر کا تذکرہ فرمایا (ملفوظات کے صفحہ ۵۰ پر ملاحظہ کیا جائے) اسی بات کو واضح کرنے کے لئے مولینا سید ابوالحسن علی ندوی کا وہ مضمون اسی رسالہ کے آخر میں ملحق کیا جا رہا ہے جس کا عنوان دوسرے دینی اداروں اور تحریکوں کے بارہ میں ہمارا طرز عمل ہے اس میں اس طرز تبلیغ اور طریق دعوت کی وضاحت فرما کر اس کی اصل حیثیت کو بتلایا گیا ہے ،

مولانا ندوی کا یہ مضمون الفرقان لکھنؤ بابت ماہ ربیعین و جمادی الاول ۱۳۷۲ھ میں اب سے تقریباً اٹھائیس سال پہلے شائع ہو چکا ہے، مولینا نے اس وقت جن خدشات کا احساس فرمایا تھا اور اس طرز پر کام کرنے والوں کو جن قابل اصلاح امور کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی تھی چونکہ آج اکثر و بیشتر وہ خدشات ظاہر ہو رہے ہیں اور ان کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے اس لئے اس مضمون کو دوبارہ شائع اور عام کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس رسالہ کے آخر میں اس کو شامل کر دیا گیا۔

مدارس اور خانقاہوں کی افادیت اور ضرورت :۔

اس تحریک تبلیغ کے بانی اور سرپرست حضرات سب ہی مدارس دینیہ اور خانقاہی طرز سے مستفید اور ان کے فیض یافتہ ہیں اور انہی مدارس اور خانقاہوں کا یہ فیض ہے جو کم سے کم اس برصغیر میں اسلامی علوم قرآن و سنت کی تعلیم باطنی تزکیہ و تصفیہ کا کام انجام پا رہا ہے جس سے مستفیض و مستفید ہو کر ایک ایک عالم دین اور شیخ طریقت سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بنا ہوا ہے اور اپنے اپنے علاقوں میں ہدایت کی شمع روشن کئے ہوئے ہے اور واسطہ در واسطہ لاکھوں مسلمانوں کو ان حضرات سے علمی اور روحانی فیض پہنچ رہا ہے۔ اگر ان مدارس و خانقاہوں میں کمی واقع ہو یا اس طریقہ کو ثانوی درجہ دے دیا جائے تو علوم قرآن و سنّت اور تزکیہ نفوس تحصیل نسبت باطنہ کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہے گا، اور موجودہ علماء اور مشائخ کے بعد آگے ان کے جانشین اور وارث پیدا ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ عمومی دعوت و تبلیغ اور عام مسلمانوں میں ابتدائی ضروری دینی معلومات حاصل کرنے کی یہ مروجہ صورت علوم دینیہ میں تبحّر اور تفقّہ پیدا کرنے اور علوم قرآن و سنت میں مہارت حاصل کرنے کے کسی طرح بھی کافی نہیں اور نہ ہی یہ طریقہ اس کے لئے وضع کیا گیا ہے بلکہ حسب تصریح

مولینا محمد الیاس صاحبؒ اس طریقہ سے دین کی الف۔ب۔ت سکھائی جاتی ہے۔ اور مولینا محمد یوسف صاحب جانشین حضرت مولینا محمد الیاس صاحبؒ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ "ہم مدرسہ میں بخاری پڑھانے والوں کے لئے یہ نہیں چاہتے کہ ان کو التحیات پڑھانے پر لگا دیں"۔ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص۴۲)

مولانا مرحوم نے دینی مدارس کے درس و تدریس کو اصل بنیادی کام قرار دیا ہے اور اس پر وہ خود بھی عمل پیرا رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کے اس سوال پر کہ مدرسہ کا درس و تدریس چھوڑ کر کچھ دنوں کے لئے تبلیغی چلّوں میں جانا چاہتا ہوں۔ مولینا محمد یوسفؒ نے مفتی صاحب موصوف کو پڑھانے کے کام کو چھوڑ کر تبلیغ میں جانے سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا اور فرمایا کہ آپ اسی کام کو کرتے رہیں۔ ہم درس و تدریس کے کام کو بنیادی کام سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ کے الفاظ میں۔

اس واقعہ کا تذکرہ خود مفتی صاحب کی زبانی سُنئے۔ حضرت شیخ الحدیث ارقام فرماتے ہیں۔ مفتی عزیز الرحمٰن سوانح حضرت جی میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے مولانا صاحب سے اپنی درسی مصروفیات کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں اپنے پڑھانے سے اس قدر تھک گیا ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ تھوڑے دنوں کے لئے کوئی آدمی مل جائے تو درسی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے کچھ دن تبلیغ میں لگا لوں تو فرمایا ۔" ہرگز نہیں تبلیغ سے پہلے بھی یہی کام کرنا ہے اور تبلیغ کے بعد بھی یہی کام کرنا ہے لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم مدرسوں کے مخالف ہیں حالانکہ یہ غلط ہے ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ خود پڑھاتے ہیں ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ کو بھی لگائے رکھو (سوانح یوسفی تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص۳۰)

واقعی مدرسوں میں پڑھانے کا کام بنیادی حیثیت کا حامل ہے اس سے دین کے ہر شعبہ کی ضرورت کے لئے رجال کار تیار ہوتے ہیں مدرسین اور مفتی اور مصنف مبلغین واعظین وغیرہ کی جماعت درس وتدریس اور پڑھانے سے ہی تیار ہوتی ہے جن کے ذریعہ مسلمانوں کی مختلف دینی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے، دینی مدارس میں پڑھانے کے کام کے ساتھ عام طور پر تبلیغ کا کام اکثر و بیشتر لگا ہی ہوتا ہے۔ متعلقین مدارس جمعہ وغیرہ کے خطبات اور عام جلسوں میں وعظ و نصیحت کا کام انجام دیتے رہتے ہیں جو عام مسلمانوں میں دینی احکام کی تبلیغ عقائد و اعمال کی درستگی اور دین کیطرف رغبت و شوق پیدا کرنے کے لئے نہایت درجہ مفید ثابت ہو رہا ہے اور اس صورت سے عام تبلیغ کا فرض بھی مدارس کے ذریعہ انجام پا رہا ہے اس کے علاوہ مدرسین طالبعلموں کو علوم دینیہ کی تعلیم دے کر تبلیغ خاص کا فرض انجام دینے اور مدرسین و مبلغین وغیرہ کی ایک جماعت تیار کرنے میں مصروف رہتے ہیں، اس لئے کسی خاص طریقہ تبلیغ کو پڑھانے والوں کے ساتھ لگانا ضروری نہیں رہتا اور تقسیم کار کے مطابق ایک جماعت اگر ایک طریقہ کو اپنالے اور دوسری جماعت دوسرے طریقہ پر عمل پیرا ہو تو مقصد حاصل ہے۔ ہر جماعت پر مختلف طریقوں کی پابندی کا فرض عائد کرنا تقسیم کار کے اصول کے خلاف اور غلو کی حد میں داخل ہے، ہاں اگر فارغ اوقات میں دینی مدارس کے اصل مقاصد میں خلل انداز ہوئے بغیر دوسرے طریقہ تبلیغ کو بھی کوئی شخص حدود شریعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا لیتا ہے تو یہ استحبابی درجہ ہے لازم اور واجب نہیں، اسی لئے امیر تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم نے مفتی صاحب موصوف کو مدرسہ کے اصل کام درس وتدریس فتویٰ نویسی کو چھوڑ کر کچھ دن تبلیغ میں لگانے سے منع کر دیا اور درس وتدریس وغیرہ کے کام پر لگے رہنے کی تاکید فرمائی، یہ واقعہ کام کرنے والوں کے لئے بڑی ہی توجہ کا مستحق ہے جو دین کے دوسرے کاموں میں مشغول حضرات کے لئے

بھی اس خاص طریقہ سے تبلیغ میں وقت لگانے پر اصرار کرتے ہیں اور ان کے لئے بھی اس طریقہ کے اختیار کرنے کو ضروری قرار دیتے ہیں پھر کسی متبادل شخص کے انتظام کا بھی خیال نہیں رکھتے، اس واقعہ میں حالانکہ مفتی صاحب اپنی درسی ذمہ داریوں کو دوسرے آدمی کو سپرد کر کے تبلیغ میں وقت دینا چاہتے تھے پھر بھی مولانا یوسف صاحب مرحوم نے اس سے روک دیا، اب تو اگر کوئی دینی خدمت میں مشغول شخص مدرس یا امام وغیرہ اپنی دینی مشغولیت کا عذر کرے تو بلا جھجک اس کے متعلق کہدیا جاتا ہے کہ یہ اپنی روزی اور تنخواہ کے خطرہ میں پڑ جانے کی وجہ سے وقت نہیں دے رہے اور ان کو خدا کے رازق ہونے پر پورا یقین نہیں ہے، اس بدگمانی سے نہ تو محاسبہ آخرت کا خوف رکتا ہے اور نہ ہی اکرام مسلم کا سبق مانع ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کو خصوصیت کیساتھ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی اس نصیحت ذیل کو ہر وقت پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے حضرت مرحوم کا ارشاد ہے کہ وفود تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں..... ایک عامی مسلمان کی طرف سے بھی بلا وجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو سخت چیز ہے پھر فرمایا ہمارا طریقہ تبلیغ میں عزت مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہیں، ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنی چاہیئے اور علماً کا بوجہ علم کے بہت احترام کرنا چاہیئے"

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۳۹)

عربی مدارس اسلام کے قلعے ہیں

مولانا ابوالحسن علی ندوی اس زمانہ میں مدارس عربیہ کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہوگیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلم ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحب فراست علماء نے جا بجا اسلام کی شریعت وتہذیب کے قلعے تعمیر کر دیئے انہی قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت وتہذیب انہی قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی ساری قوت واستحکام انہی قلعوں پر موقوف ہے" (ماہنامہ الحق نومبر ۱۹۷۹ء ص۱۳)

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی "تجدید تعلیم وتبلیغ" میں زیر عنوان "علماء کی وقعت وعظمت کی حفاظت نہایت اہم ہے" ارقام فرماتے ہیں :۔

"جب علماء کا وجود ایک طرف دین کی تعلیم وتبلیغ کے لئے اور دوسری طرف اس کے بقاؤ تحفظ کے لئے ناگزیر ہے تو اگر امت کے اندر یہ جماعت خدا نہ کرے وہ موجود نہ رہے یا موجود ہو اور اس کی اتنی تحقیر وتوہین جا و بے جا الزامات سے دلوں میں راسخ کر دی جائے کہ لوگ اس سے بیزار ہو کر استفادہ نہ کریں تو پھر علماً وتعلیماً اور بالآخر عملاً معاذ اللہ دین کے فنا ہو جانے کے سوا اور کیا نتیجہ ہوگا .... اسی طرح دینی مدارس قائم کرنے اور جو قائم ہیں ان کی حفاظت وترقی کی تاکید (حضرت حکیم الامت تھانوی نے ازناقل) جا بجا فرمائی ہے کیونکہ ہماری گاڑی کے ڈرائیور یہیں سے پیدا ہو سکتے ہیں اگر خدانخواستہ عربی درسگاہوں سے ان کی فراہمی منقطع ہو جائے تو امراء کی فرسٹ و سیکنڈ متوسطین کے انٹر اور غرباء وعوام کے تھرڈ سارے کے سارے ڈبے اپنی جگہ

بے حرکت کھڑے رہ جائیں گے ہر طبقہ کی دینی حیات وحرکت ان مدرسوں سے نکلے ہوئے بڑے بھلے علماً یا مولویوں ہی کے دم سے قائم ہے اور جس قدر امت کے مختلف طبقات اپنی اپنی اہلیت وحیثیت کے مطابق ہماری دینی گاڑی کے ان ڈرائیوروں یا چلانے والوں کی بہتر سے بہتر تعلیم وتربیت خدمت واعانت کا بندوبست کریں گے۔ اسی قدر ہماری دینی حرکت وحیات جاندار و پائیدار ہوگی" (ص۴۳)

واقعی مدارس عربیہ کا نظام تعلیم وتربیت اسلامی شریعت وتہذیب کے لئے قلعوں کا کام دے رہا ہے اور اسلامی شریعت کی حفاظت اور قرآن وسنت کا تحفظ انہی قلعوں کے وجود پر موقوف ہے۔

مدارس عربیہ کے نظام تعلیم وتربیت کا تعارف اور ان کی افادیت :۔

اس نظام میں قرآن مجید حفظ وناظرہ کی تعلیم اور ابتدائی دینی ضروریات اصول وارکان دین، کلمہ، وضو، نماز، روزہ وغیرہ کے سکھلانے کا اہتمام ابتدائی عمر میں بچوں کے لئے کیا جاتا ہے اور ان کو تعلیم کے ساتھ عملی طور پر نماز وغیرہ نیک اعمال کا پابند بھی بنایا جاتا اور اخلاقی نگرانی کی جاتی ہے کھانے پینے بیٹھنے اٹھنے کے آداب اور طریقے بھی سکھائے جاتے ہیں قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ اردو نوشت وخواند اور ایسے اردو رسائل کی تعلیم دی جاتی ہے جن میں ضروری دینی عقائد اور مسائل ہوتے ہیں جیسے تعلیم الاسلام، بہشتی زیور وغیرہ جن کے پڑھنے سے بچوں کو اردو لکھنا پڑھنا آنے کے ساتھ ضروری دینی عقائد اور مسائل کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے اساتذہ کی نگرانی کے ساتھ اگر سرپرستوں کا تعاون بھی حاصل رہے تو بچہ ابتدائی عمر میں ہی ضروری دینی علم حاصل کرنے کے ساتھ عملی طور پر بھی نیک اعمال کا عادی اور اچھے اخلاق کا خوگر بن جاتا ہے۔

مدارس عربیہ کا یہ ابتدائی شعبہ تعلیم قریب قریب ہر چھوٹے بڑے عربی مدرسہ

میں قائم ہے اور بعض چھوٹے مدرسے تو صرف اسی ابتدائی شعبہ تعلیم ہی پر مشتمل ہیں۔ اسی ابتدائی شعبہ کو ہر ہر شہر ہر ہر قریہ گاؤں، محلوں میں مساجد کے اماموں کے ذریعہ اگر عام کر دیا جائے اور تربیت یافتہ معلمین کی نگرانی میں ملک سے ہر بچہ کو دین کے ضروری عقائد و اعمال سے واقف کرانے کے ساتھ عملی تربیت بھی دی جائے تو علم دین سیکھنے اور سکھانے کا جو درجہ فرض عین اور ہر شخص پر فرض ہے وہ ادا ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی دین کے ضروری اعمال و اخلاق کی عملی تربیت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی بالغ شخص ایسا نہیں رہ سکتا۔ جس کو دین کی بنیادی ابتدائی معلومات حاصل نہ ہوں اور اس کے لئے دوسرے مقامات پر جانے کی ضرورت باقی رہے۔

اس تفصیل سے اس مغالطہ کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے جو عام لوگوں میں پیدا کیا جاتا ہے کہ مدارس عربیہ صرف علم سیکھنے کے لئے ہیں اور عملی اور اخلاقی تربیت کے لئے دوسرے طریقۂ کار پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بات سے بات آتی اور عمل سے عمل آتا ہے۔ مگر جس شخص کو مدارس عربیہ کے علمی کام کے ساتھ عملی اور اخلاقی تربیت کا حال معلوم ہو اور یہ حقیقت اس کی نظر کے سامنے ہو کہ مدارس عربیہ میں طلباء کو صرف علم ہی نہیں سکھلایا جاتا، بلکہ اعمال و اخلاق کی تربیت بھی دی جاتی ہے اور طلباء جس طرح اپنے اساتذہ کرام سے علوم کی تحصیل کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے اساتذہ کی نگرانی میں اعمال و اخلاق کی تربیت بھی حاصل کرتے ہیں۔ اس کو یہ مغالطہ نہیں دیا جا سکتا۔

مقصد یہ ہے کہ مدارس عربیہ میں صرف بات اور علم ہی نہیں سیکھا جاتا بلکہ اساتذہ کرام وغیرہ کے عمل سے عمل سیکھنے اور اخلاق سے اخلاق سنوارنے کا بہتر سے بہتر موقع بھی طلباء کے لئے میسّر ہوتا ہے اور اساتذہ کرام وغیرہ کا عملی اور اخلاقی نمونہ ہر وقت ان کے سامنے موجود رہتا ہے۔ اب یہ مغالطہ اسی صورت میں دیا جا سکتا ہے کہ مدارس عربیہ کے اساتذہ وغیرہ متعلقین کو عمل سے عاری اور اخلاق حسنہ سے خالی تصور کر لیا جائے۔

البتہ نسبت باطنہ کی تحصیل اور تزکیہ نفس کی تکمیل اور اخلاق کے درجۂ علیا کی تربیت کے لئے باطنی تربیت گاہوں اور خانقاہوں میں وقت لگانا اور مشائخ طریقت سے اصلاحی تعلق قائم کرنا علوم دینیہ کے طلباءؑ کے لئے بھی ضروری ہے اور اگر اساتذہ کرام میں کوئی شیخ طریقت بھی ہوں تو یہ ضرورت ان سے ہی پوری ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان سے مناسبت بھی ہو، ورنہ کسی دوسرے شیخ طریقت سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم رکھنے کی ضرورت ہے دوران تعلیم ایام تعطیل میں اور درسیات سے فارغ ہونے کے بعد بھی جب فرصت مشائخ طریقت کی صحبتوں اور بابرکت مجلسوں سے استفادہ کرتے رہنا اصلاح احوال کے لئے ازبس مفید ہے۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ تبلیغی اسفار کو تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق کے تکمیلی درجہ کے لئے کافی سمجھ لینا اور عام لوگوں کے ساتھ عمومی چلت پھرت کو شیخ طریقت کے ساتھ تعلق اصلاح کا قائم مقام تصوّر کر لینا سخت غلطی ہے اور یہ غلطی باطنی تزکیہ اور اصلاح کی حقیقت سے ناواقفیت اور مشائخ طریقت سے استغنا کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق کے لئے شیخ طریقت کی تشخیص امراض اور ہر شخص کے حسب حال تجویز علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر شخص کے لئے ایک ہی علاج مفید نہیں ہوتا پھر روک ٹوک اور احتساب کے بغیر عادۃً امراض کا ازالہ دشوار ہے ظاہر ہے کہ تبلیغی اسفار میں اس کا اہتمام بہت مشکل ہے ان اسفار کی بدولت اگر کسی شخص میں خدمت خلق اور ایثار کا جذبہ یا کسی قدر تواضع وغیرہ کے آثار وغیرہ ظاہر ہو رہے ہوں تو تہذیب نفس کے لئے اس کو کافی نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ بسا اوقات کبر بصورت تواضع ظاہر ہوتا ہے، اور حقیقت ناشناسی کی وجہ سے صورت تواضع کو حقیقت سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایسے باریک مکائدِ نفس پر مطلع ہونا کسی صاحب بصیرت شیخ طریقت کی راہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اور یہ مغالطہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم دین کے تکمیلی درجہ کی تعلیم

کے لئے ہے اور اس کا درجہ ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد کا ہے حالانکہ مدارس عربیہ کا ابتدائی تعلیمی شعبہ ایسے ہی دینی فرائض کی تعلیم پر مشتمل ہے جن کا سیکھنا ہر شخص پر فرض و واجب ہے اس ابتدائی شعبہ کے بعد اوپر کے شعبوں تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس تکمیلی شعبہ میں ایسے علوم و فنون کے سیکھنے کا موقع آتا ہے جن کا سیکھنا علوم دینیہ میں مہارت اور تفقہ پیدا کرنے کے لئے امت پر فرض کفایہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم ابتدائی دینی ضرورتوں اور بعد کی تکمیلی ضرورت دونوں کا جامع نصاب ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے ابتدائی شعبہ کی تعلیم کا انتظام ایسا عام کر دیا جائے کہ کوئی شہر کوئی بستی اور کوئی بچہ اس کے حاصل کرنے سے محروم نہ رہ سکے اس ابتدائی شعبہ یعنی قرآن پاک اور بہشتی زیور وغیرہ کی تعلیم کا انتظام ہر گھر میں بچیوں کے لئے بھی لازم ہے۔ کسی محرم مرد باپ بھائی وغیرہ یا ایسی عورت کے ذریعہ جو قرآن پاک اور بہشتی زیور وغیرہ پڑھے ہوتے ہوں یہ انتظام کیا جا سکتا ہے تاکہ بچیوں کو بھی فرائض شرعیہ اور ابتدائی دینی ضروری معلومات حاصل ہو سکیں۔ یہ ہے وہ جامع طریق کار جس سے پورے ملک میں ہر بالغ لڑکا لڑکی دین کی ضروری معلومات کا علم اپنے اپنے مقامات پر رہتے ہوئے بھی آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے اور دین کی تکمیل علم کے لئے اپنے قرب وجوار کے بڑے بڑے دینی مدارس عربیہ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، اس درجہ کا علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض عین نہیں ہے جو درجہ علم کا فرض عین ہے اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہر شہر ہر بستی ہر محلہ میں مقامی طور پر ہونا ضروری ہے

دین کی ضروری تعلیم حاصل کرنے کیلئے دوسرے مقامات پر جانا اور دین کی تعلیم کا انتظام کرنا

اگر کسی مقام پر ایسا انتظام نہیں ہو سکتا تو پھر دوسری جگہ سے ضروری علم حاصل کرنے

کے بعد اپنے مقام پر واپس آکر دوسروں کی ضروری تعلیم میں مشغول ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے واضح ہو رہا ہے کہ ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت مرکز علم میں علم حاصل کرے۔ پھر اپنے مقام پر واپس آکر اس فرض تعلیم کی ادائیگی میں مشغول ہو جائے آیت کریمہ فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے اور صحابہ کرام کے عمل میں بھی اس کے بکثرت نظائر و شواہد موجود ہیں۔ اصحاب صفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں دور دراز مقامات سے علم دین حاصل کرنے کے لئے حاضر رہتے تھے اور علم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے مقامات پر تعلیم کا فرض انجام دیتے تھے بیر معونہ کے واقعہ سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ دوسرے مقامات کے لوگوں کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قاریوں کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا مگر راستہ میں ان کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔ نیز یمن کی طرف حضرت معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت علی رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کو قاضی اور معلم بنا کر بھیجا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں تعلیم کا اہتمام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا کہ نئی فتوحات کے مقامات پر ائمہ مساجد اور مؤذنین کے تقرر کے بعد ان کے ذمہ وہاں کی دینی تعلیم کا فرض عائد فرماتے شام کے بڑے بڑے شہروں فلسطین، دمشق، حمص میں حضرت معاذ ابن جبلؓ حضرت ابو الدرداؓ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کو دینی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا اور یہ حضرات اپنے اپنے مقامات پر قرآن و سنت کی تعلیم میں آخر وقت تک مصروف و مشغول رہے اور ہزاروں بندگان خدا کو علم و معرفت سے آشنا کر دیا، یہی طریقہ مدارس دینیہ میں مروج ہے کہ بڑے مدارس سے علوم دینیہ حاصل کر کے دوسرے مدارس میں بطور مدرس اور معلم کے تقرر ہوتا ہے اور بعض کا بطور ائمہ مساجد اور خطباء کے تقرر عمل میں

آتا ہے اور وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں تعلیم اور تبلیغ عام وعظ و نصیحت کا کام انجام دیتے ہیں۔ اس طریقہ کا سنت ہونا بھی سیرت نبوی اور سیرت صحابہؓ سے اوپر ثابت ہو رہا ہے اس لئے دین کی تعلیم و تعلم کے لئے چلت پھرت اور دوروں اور چلوں ہی کو مسنون سمجھ لینا اور دینی مدارس کے طریقہ تعلیم و تبلیغ کو سنت کے خلاف سمجھ لینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے حضرت عمرؓ کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتیب قائم کئے تھے۔ جن میں قرآن مجید اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء صحابہ، اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے گئے تھے۔ مدرسین و معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔" (الفاروق ج ۲ ص ۱۸۴)

نیز لکھا ہے :-

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا گیا اور معلم و قاری مقرر کرکے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہیں تھیں۔ مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے۔ ان کے معلموں کی تنخواہیں ۱۵ - ۱۵ درہم (تقریباً چار تولہ چاندی) ماہوار تھی۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن شریف کا کوئی حصہ یاد نہ ہو۔ اس کو سزا دے مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔" (الفاروق ج ۲ ص ۸۹)

"صحابہ کرام میں سے پانچ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت کے زمانہ میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذؓ ابن جبل، عبادہؓ ابن صامت، ابیؓ ابن کعب، ابوایوبؓ، ابوالدرداءؓ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے آپ

لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے ابو ایوبؓ ضعیف اور ابیؓ ابن کعب بیمار تھے اس لئے جا نہ سکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں، باقی دو حصوں میں ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا۔ عبادہ نے وہیں قیام کیا اور ابوالدرداء دمشق اور معاذ ابن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ ابن جبل نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابو درداء حضرت عثمان کی اخیری خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے ابو درداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا، کہ صبح کو نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے، گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا ابو درداء دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو درداء خود اس کو اپنی شاگردی میں لیتے تھے ایک دن ابودرداءؓ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب ان کے حلقہ تعلیم میں موجود تھے۔" (الفاروق جلد دوم ص ۱۹۰)

حضرت عمرؓ نے تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں، ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے مثلاً عبدالرحمٰن ابن مغفل کے حال میں صاحب اسدالغابہ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔ عمران ابن حصین جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔ وکان ممن بعثھم عمر ابن الخطاب الی اھل بصرہ لیفقھھم یعنی یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمر نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا عبدالرحمٰن ابن غنم کے حال میں طبقات الحفاظ میں

لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا۔ صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھائی جب شام فتح ہوا تو حضرت عبادہ ابن صامت معاذ ابن جبل، ابو درداء کو شام بھیجا تھا کہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ حیان ابن ابی جبلہ کو حضرت عمرؓ نے مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کیں تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے انتخاب کیا تھا اس میں معاذ ابن جبل ابو درداء عبادہ ابن صامت عبدالرحمٰن ابن غنم عمران ابن حصین عبداللہ ابن مغفل تمام جماعت اسلام میں انتخاب تھے۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی لحاظ کی کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق ہو چکا تھا۔" (الفاروق جلد دوم ص ۱۹۳ ملخصاً)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تعلیم کا اہتمام :-

مکی دور میں :- خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کی بارہ سالہ مکی زندگی میں اگرچہ صحابہ کرام پر رات دن حوادث و افکار کا ہجوم رہتا تھا مگر ایسے ناسا عد حالات میں قرآن پاک کی تعلیم کا خصوصی اہتمام مکہ مکرمہ میں کیا گیا تھا چنانچہ دار ارقم کے متعلق: ارباب سیر و تاریخ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چالیس صحابہ کرام کے ساتھ اس مکان میں قیام پذیر تھے اور باقاعدہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت ابوبکر حضرت حمزہ حضرت علی وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام اسی مدرسہ دار ارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہے تھے اسی مدرسہ سے تعلیم حاصل کر کے حضرت ابن ارت حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ کے مکان پر قرآن کی تعلیم دینے جایا کرتے تھے اور شعب ابی طالب جس میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۷ نبوی سے ۱۰ نبوی تک محصور رہے وہاں بھی تعلیم سلسلہ جاری رہا اس کے نتیجہ میں فضلاء کی ایک جماعت قائم ہو گئی اور دوسرے مقامات پر بھی وہ تعلیم کا کام انجام دینے لگی۔

مدنی دور میں :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہجرت مدینہ سے بھی پہلے مدینہ منورہ میں حضرت مصعب ابن عمیر کو روانہ فرمایا انہوں نے سعد ابن زرارہ کے مکان پر تعلیم قرآن کا باقاعدہ سلسلہ جاری فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کئی مسجدوں میں قرآن پاک کی تعلیم کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ مسجد بنی زریق حضرت رافع بن مالک اور مسجد بنی بیاضہ میں حضرت سعد ابن زرارہ اور دار سعد بن خثیمہ نیز بنی نجار، بنو عبد الاشہل بنو ظفر اور بنی عمر ابن عوف وغیرہم کے محلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی تعلیمی مدارس اور مراکز قائم ہو چکے تھے اور مدرسہ قبا کا تو ایک مستقل نظام تھا چونکہ ابتداء میں مہاجرین عموماً قبا ہی میں قیام پذیر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسجد نبوی کی بنا رکھی گئی اور حجرہ شریفہ کی پشت پر جانب شمال باب جبریل اور باب النساء کے درمیان ایک وسیع چبوترہ پر طالب علموں کا ہجوم رہتا تھا تمام اصحاب صفہ کی مجموعی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے، اسی جامعہ صفہ کے فاضلین قراء کہلاتے تھے یہی حضرات باہر تعلیمی خدمات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی تعلیم و اشاعت کا وہی طریقہ اختیار فرمایا اور شہر بشہر دینی تعلیم دینے کے لئے معلمین کے تقرر کا انتظام و اہتمام فرمایا جس کا وہ عہد نبویؐ میں مشاہدہ کر چکے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن پاک کی تعلیم کے لئے مکاتب و مدارس کے اجراء اور قیام کا خصوصی طور پر انتظام و اہتمام فرمایا جاتا تھا اور مکہ شریف اور مدینہ شریف کے محلہ در محلہ مدارس دینیہ کے قیام کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی قراء اور معلمین کو درس و تدریس کے لئے

معین فرما کر بھیجا جاتا تھا اب بھی اگر اسی آزمودہ اور مجرب طریقہ کار کے موافق ہر ہر شہر اور ہر ہر بستی میں ضروری دینی تعلیم کا انتظام کر دیا جائے تو امت کی عمومی اصلاح کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ نہایت مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام کے اتباع کی توفیق نصیب فرمائے اور نبوی طریقہ تعلیم و تبلیغ کے موافق دوسروں کی تربیت و اصلاح کرنے کی ہمت عطا فرمائے آمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولینا محمد المصطفیٰ وعلیٰ آلہ المجتبیٰ واصحابہ المرتضیٰ۔

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۸۔ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ، ۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء



دوسرے دینی اداروں اور تحریکوں کے بارے میں

ہمارا طرزِ عمل

یعنی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقِ دعوت و تبلیغ کی توضیح و تشریح

از

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی



دوسرے دینی اداروں اور تحریکوں کے بارے میں

ہمارا طرزِ عمل

صورتِ حال یہ ہے کہ جہاں ہمارے رفقائے کار دعوت اصلاح و تبلیغ کا کام کرتے ہیں وہاں پہلے سے کچھ دینی ادارے موجود ہوتے ہیں اور اکثر جگہ کوئی دینی تحریک بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے غور و فکر کرنے اور ایک اصول طے کر لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا رویہ عام دینی اداروں اور تحریکوں کے ساتھ کیا ہو۔

سب سے پہلے ایک اصول بیان کیا جاتا ہے جس سے ایسے مواقع پر ہمیں رہنمائی حاصل ہوگی اور وہ ایک مستقل معیار کا کام دیگی جس سے ہم اپنا طرزِ عمل اور رویہ معین کر سکیں گے۔

دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اس کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت و شکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت و شکل مطلوب ہے اس کو ہم "منصوص بالوضع" کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ دینی امور میں جو اپنی خاص ہیئت و صورت کے ساتھ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (مثلاً) ارکانِ دین اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں اور خود کر کے بھی دکھلائیں (مثلاً)، نماز، حج، وضو، وغیرہ

دین کا دوسرا حصہ وہ ہے کہ اس میں نفسِ شئے مطلوب ہے لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر (زمانہ کی تعریف اور راحت کے لئے وسعت اور سہولت کا خیال کر کے) آپ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں۔ صرف شئے بتلا دی کہ یہ مقصود ہے یہ چیزیں جو خود منصوص ہیں لیکن ان کی کوئی خاص وضع مخصوص نہیں (مثلاً) جہاد فی سبیل اللہ دعوتِ الی اللہ، علم و دین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام شرعیہ کا اُمت تک پہنچانا، یہ سب اُمت سے مطلوب ہے اگر اُمت ان کو چھوڑ دے اور بالکل ترک کر دے تو وہ گنہگار ہوگی۔

صرف یہ اعمال مقصود ہیں۔ اُن کی کوئی خاص شکل اور طریقہ معین نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس بارے میں اُمت کی عقل پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کو اس کی صلاحیتوں پہ چھوڑ دیا گیا ہے (مثلاً) دعوتِ منصوص ہے ملکیت اس کی کوئی خاص ہیئت منصوص نہیں

غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے۔ لباس نہ ہو تو کوئی لباس ساتر ہو، ٹخنوں سے اونچا ہو، گھٹنوں سے نیچا ہو، تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو کوئی حرام و ناجائز (مثلاً) مردوں کے لئے ریشم نہ ہو، پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرائط بھی منصوص ہیں۔ لیکن لباس کی شکل، لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ، غیر مخصوص ہیں۔ اس میں امت کیلئے بہت سی سہولتیں ہیں۔ اس کو اُمت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری مثال مساجد کی ہے۔ مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظافت بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے ممتاز ہوں۔ مگر ان کا کوئی خاص طریقہ مطلوب نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عالمِ اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ مینارے مساجد کے لئے شرائط نہیں تھیں۔ ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے، الجزائر و مراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی اور پہلی مسجد (بیت اللہ) کا کوئی مینار نہیں۔

اب دعوتِ الی اللہ کی مثال لیجئے، اللہ کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے۔ انفرادی ہو یا اجتماعی تقریر سے ہو یا تحریر سے، علانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل معین نہیں نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَہَارًا۔ حضرت نوحؑ نے (حق اللہ کی بارگاہ میں) کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی۔ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُھُمْ جِھَارًا۔ پھر میں نے خوب پکار کر اور چیخ کر بھی ان کو بلایا۔ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَھُمْ وَاَسْرَرْتُ لَھُمْ اِسْرَارًا۔ پھر میں نے باعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی لہٰذا دعوتِ دین کا کام کرنے والے ہر فرد و جماعت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی تحریک کا جو طرز مناسب سمجھے وہ اختیار کرے اُس میں کسی کو جائز اور ناجائز لکھنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے۔

اس وقت عام طور پر دین کے ان دونوں حصوں کو خلط ملط کیا جاتا ہے۔ منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دیا جاتا ہے اور غیر منصوص کو منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور مختلف اداروں اور تحریکوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو گئی۔ اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی سیکڑوں تنازعوں کا سدباب ہو جائے گا اور بہت سی ذہنی اُلجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

چیزوں کی اصل ہیئت سمجھنے اور اُن کو اُن کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد صحیح اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی تحریکوں، دینی اداروں کے درمیان تقابل، تصادم اور اختلاف کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا فرق جو رہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کونسی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز

ہے اور کس سے وہ نتائج و مقاصد ظاہر ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں۔ دعوت الی اللہ کی شکل اور طرز میں ہر جماعت اور ادارہ آزاد ہو۔ اس کو کسی خاص شکل یا طرز پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، جیسے کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا پابند نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کوئی جماعت اگر کسی خاص طریقہ کار کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول و آداب کے مخالف نہ ہوں) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے۔ ہم اپنے مخصوص طرز کار کو بہتر اور احیاء دین کے لئے مفید سمجھتے ہیں تو یہ اپنی جگہ ٹھیک ہے ہم اپنی طرز کار کو دُوسری تحریکوں اور اداروں کے داعیوں کے سامنے بہتر طریقہ سے پیش کر سکتے ہیں لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم اُن کو غلط کار اور کسی گناہ کا مرتکب سمجھیں تو ہم غلطی پر ہیں۔ ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کے ساتھ ایک گمراہ فرقہ کا سا معاملہ کرنا، ان کو جاہل اور گمراہ سمجھنا غلط اور لغو ہے

ہماری اس دینی تحریک "دعوت اصلاح و تبلیغ" کا ایک خاص طرز ہے۔ اس میں تبلیغی گشت ہے، اجتماعات ہیں، ذکر اللہ پر، اکرام مسلم پر، اور ترک لایعنی پر زور ہے، اور دین کے لئے گھر سے نکلنے اور وقت اور عادات و مالوفات کی قربانی کی ترغیب ہے وغیرہ وغیرہ ان میں بعض چیزیں وہ ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔ (مثلاً اکرام مسلم، ذکر اللہ کی کثرت، ترک مالایعنی وغیرہ لیکن بعض چیزیں (مثلاً) گشت اجتماعات وغیرہ ہیں جو انتظامی امور ہیں، یہ حدیث و قرآن سے استنباط کئے جا سکتے ہیں جو اصولی طور سے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ملیں گی لیکن خاص اس ہیئت میں ہی ملیں گی۔ یہ سب چیزیں اجتماعی اور تجربی ہیں ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجہ اتم ہوتا ہے

ہم صاف کہتے ہیں کہ یہ بالکل امکان ہے کہ پچیس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور ہمارے اس طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔ اس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت ہمارا نام لے کر محض اس بنا پر کرے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا۔ کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری اس تحریک میں بھی ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز دین کی خدمت اور احیاء کے لئے ہمیشہ کے لئے اور ہر جگہ کے لئے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے جب تک اس منصوص طریقہ پہ تقریر نہ ہو، اسی خاص ڈھنگ پر اُن ہی ساری پابندیوں پر گشت نہ ہو اور اجتماعات میں مقررہ طریقہ سے دعوت نہ دی جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا۔ یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے اس لئے کہ اسی طرز عمل کی وجہ سے مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے ہیں۔ اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے کہ ہر تقریر کے بعد جہد و عمل کی دعوت ضرور دی جائے۔ ہر بستی میں ایک مرکزی اجتماع ضرور ہو۔ رات کو مساجد میں قیام ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہیئے لیکن اگر ہفتہ کا اجتماع ہمارے شہر لکھنؤ کی نوچندی جمعرات کی طرح ہر ایک رسم بن جائے رات کا قیام رت جگا کی طرح رسمی ہو جائے اور دین کے کام کے لئے چلنا ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب بن جائے گا اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی اور اس وقت کی ربانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ ان کے خلاف جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں بہت سی چیزیں صحیح مقاصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں۔ لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے موقع پہ حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا تفقہ

فی الدین ہے اور کہنے والے نے کہا ہے سع اگر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

اگر ہماری تحریک کی ہمعصر دینی تحریکیں یا ادارے منصوص چیزوں کو مقصد بنائے ہوئے اور اپنی مخلصانہ صوابدید کے مطابق کسی طرز پر کام کر رہے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ہمیں ان کے کام کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ ان کو کامیابی کی دعائیں دینی چاہئیں اور ان سے تعلقات بڑھانا چاہیئے اسی لئے کہ وہ دین کے بعض اہم شعبوں کو سنبھالے ہوئے ہیں اور اس طرح انہوں نے ہم کو یہ موقع دیا ہے کہ ہم ان دوسرے کاموں سے مطمئن ہو کر اپنا کام کریں۔ حضرت مولانا الیاسؒ مدارس کے لئے دُعائیں کرتے تھے اور اپنے خاص محبین کو ان کی اعانت کرنے کی طرف توجہ دلاتے تھے بہت سے مدارس کی آمدنیاں اس تبلیغی تحریک کی وجہ سے بڑھ گئی تھیں مولانا اپنے اہل تعلق کو اس کی طرف بھی متوجہ کرتے تھے کہ علماء کی ملاقات کے لئے جایا جائے اور اُن سے تعلقات بڑھائے جائیں اور ان کے حقوق (اکرام و محبت اور تعاون) ادا کئے جائیں۔

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ ہے کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد اور مصلح ہوتا ہے۔ نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقے کے اتباع کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی ہدایت حاصل کئے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اس میں کسی قسم کی مدارات یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے لیکن مجدد دین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے ہر مجدد اور ہر ربانی مصلح کے طریقے کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے۔ (مثلاً) کسی مجدد کے طریقے سے قربانی کے جذبات بڑھتے ہیں لہٰذا اس کے طریقہ کی پیروی سے قربانی کے جذبات بڑھیں گے اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کے اثر سے انفاق و ایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔ ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے (مثلاً) صفائی معاملات میں پختگی آتی ہے تو صفائی معاملات کے سلسلہ میں اس

سے تعلق اور استفادہ خاص طور پر مؤثر ہوگا۔

بہرحال نبی کے طریقہ پر تو نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم ہوتا ہے لیکن کسی مجدد اور مصلح کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کے اتباع اور ان کے ساتھ وابستگی سے ہوتی ہیں لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔ ایک بات یہ بھی ہونی چاہیئے کہ اُمت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے۔ اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی تحریک یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کرسکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کرسکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کرسکتی ہے۔ کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے۔ کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دُوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک واحد طریقہ کار سے ہر جگہ، ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگ قابل قدر اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا، جب تک کہ ہر شخص انہیں مخصوص طرز پہ کام نہ کرے اور سب ایک ہی کام کرنے لگیں، حالانکہ عمومی و انقلابی تحریکوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے پر بٹھائی جاتی ہے ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہے اور اس میں وہ زیادہ اہل ہے اور اس میں وہ دُوسروں سے ممتاز ہے اور جس کو وہ دُوسروں کے مقابلہ میں بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہے۔

ہم کو تو دوسری دینی کوششیں اور ان کے ذمّہ داروں کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو سنبھال رکھا ہے جو ہماری گرفت میں نہیں آسکتے تھے یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیئے کہ جو کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور

کچھ اسی راستہ سے آجائیں۔ اور اپنے طریقہ کار کو مناسب طریقے سے ان کے سامنے اکثر پیش کرتے رہنا چاہیئے لیکن اس طرح نہیں کہ وہ سمجھیں کہ یہ ہمارے درپے ہیں اور ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔ نہ ان کے سامنے آپ اپنی دینداری کا اظہار کریں اس طرح آپس کے تنازعات ختم ہوجائیں گے ایک دوسرے کی طرف دل صاف ہوجائیں گے۔ اور اُمت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں تعاون علی البرّ والتقویٰ کرنے کی اور خداترسی پر ایک دُوسرے کی امداد کی استعداد پیدا ہوجائیں گی جو عرصہ سے مفقود ہوچکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں جبکہ باطل مختلف شکلوں اور حربوں کے ساتھ حملہ آور ہے اور اہل باطل مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ہر ٹیلے اور ٹاپو سے اُبلے چلے آرہے ہیں) کا مصداق ہیں سخت ضرورت ہے۔

(الفرقان لکھنؤ۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ)

○